حمد بیحد و قیاس اور لا انتہا و لا منتاہی سپاس
خدائے رحیم و کریم ملک الجنۃ والناس



کہ گوہر بے بہا و نسخہ کیمیا گم گشتگان کا رہنما
یعنی رسالہ

# مسیح ہندوستان میں




حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب
قادیانی مجدّدِ زمان


---

درباره نجات مسیح ناصری از صلیب اور ان کا سفر جانب ہندوستان
بتوفیق یزدانی و فضل ربانی




احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

# مسیح ہندوستان میں

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ

اے ہمارے خدا ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کر اور تو بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے

# دیباچہ

اس کتاب کو مَیں اس مراد سے لکھتا ہوں کہ تا واقعات صحیحہ اور نہایت کامل اور ثابت شدہ تاریخی شہادتوں اور غیر قوموں کی قدیم تحریروں سے ان غلط اور خطرناک خیالات کو دُور کر دوں جو مُسلمانوں اور عیسائیوں کے اکثر فرقوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پہلی اور آخری زندگی کی نسبت پھیلے ہوتے ہیں یعنی وہ خیالات جن کے خوفناک نتیجے نہ صرف توحید باری تعالیٰ کے رہزن اور غارت گر ہیں بلکہ اس ملک کے مُسلمانوں کی اخلاقی حالت پر بھی ان کا نہایت بد اور زہریلا اثر متواتر مشاہدہ میں آرہا ہے اور ایسی بے اصل کہانیوں اور قصّوں پر اعتقاد رکھنے سے بد اخلاقی اور بداندیشی اور سخت دلی اور بے مہری کی روحانی بیماریاں اکثر اسلامی فرقوں میں پھیلتی جاتی ہیں اور اُن کی صفت انسانی ہمدردی اور رحم اور انصاف اور انکسار اور تواضع کی پاک صفات اس قدر روز بروز کم ہوتی جاتی ہیں کہ گویا وہ اب جلد تر الوداع کہنے کو طیار ہیں۔ اس سخت دلی اور بد اخلاقی کی وجہ سے بہتیرے مُسلمان ایسے دیکھتے جاتے ہیں کہ ص۲
اُن میں اور درندوں میں شاید کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوگا۔ اور ایک جَین مت کا انسان اور یا بُدھ مذہب کا ایک پابند ایک مچھّر یا پِسّو کے مارنے سے بھی پرہیز کرتا اور ڈرتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہم مُسلمانوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ وہ ایک ناحق کا خون کرنے اور ایک بے گناہ انسان کی جان ضائع کرنے کے وقت بھی اُس قادر خدا کے مؤاخذہ سے نہیں ڈرتے جس نے زمین کے تمام جانوروں کی نسبت انسان کی جان کو بہت زیادہ قابلِ قدر قرار دیا ہے۔ اس قدر سخت دلی اور بے رحمی اور بے مہری کا کیا سبب ہے؟ یہی سبب ہے کہ بچپن سے ایسی کہانیاں اور قصّے اور بیجا طور پر جہاد کے مسئلے ان کے کانوں میں ڈالے جاتے اور ان کے دل میں بٹھائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی اخلاقی حالت مُردہ ہو جاتی ہے اور ان کے دل اُن

نفرتی کاموں کی بدی کو محسوس نہیں کر سکتے۔ بلکہ جو شخص ایک غافل انسان کو قتل کر کے اس کے اہل و عیال کو تباہی میں ڈالتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ گویا اُس نے بڑا ہی ثواب کا کام بلکہ قوم میں ایک فخر پیدا کرنے کا موقعہ حاصل کیا ہے۔ اور چونکہ ہمارے اس ملک میں اس قسم کی بدیوں کو روکنے کے لیے وعظ نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو نفاق سے اس لیے عوام الناس کے خیالات کثرت سے ان فتنہ انگیز باتوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں چنانچہ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ اپنی قوم کے حال پر رحم کر کے اُردو اور فارسی اور عربی میں ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کا مسئلہ اور کسی خونی امام کے آنے کے انتظار کا مسئلہ اور دوسری قوموں سے بغض رکھنے کا مسئلہ یہ سب بعض کوتہ اندیش علماء کی غلطیاں ہیں ورنہ اسلام میں بجز دفاعی طور کی جنگ یا ان جنگوں کے سوا جو بغرض سزائے ظالم یا آزادی قائم کرنے کی نیت سے ہوں اور کسی صورت میں دین کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں اور دفاعی طور کی جنگ سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جن کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ مخالفوں کے بلوہ سے اندیشہ جان ہو تو یہ تین قسم
ص۳ کے شرعی جہاد ہیں بجز ان تین صورتوں کی جنگ کے اور کوئی صورت جو دین کے پھیلانے کے لیے ہو اسلام میں جائز نہیں۔
غرض اس مضمون کی کتابیں میں نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے اس ملک اور نیز عرب اور شام اور خراسان وغیرہ ممالک میں تقسیم کی ہیں لیکن اب مجھے خدائے تعالیٰ کے فضل سے ایسے باطل اور بے اصل عقائد کو دلوں سے نکالنے کے لیے وہ دلائل قویہ اور کھلے کھلے ثبوت اور قرائن یقینیہ اور تاریخی شہادتیں ملی ہیں جن کی سچائی کی کرنیں مجھے بشارت دے رہی ہیں کہ عنقریب ان کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں ان عقائد کے مخالف ایک تعجب انگیز تبدیلی پیدا ہونے والی ہے اور نہایت یقین سے اُمید کی جاتی ہے کہ ان سچائیوں کے سمجھنے کے بعد اسلام کے سعادت مند فرزندوں کے دلوں میں حلم اور انکسار اور رحمدلی کے خوشنما اور شیریں چشمے جاری ہوں گے اور اُن کی روحانی تبدیلی ہو کر ملک پر ایک نہایت نیک اور بابرکت اثر پڑے گا۔
ایسا ہی مجھے یقین ہے کہ عیسائی مذہب کے محقق اور دُوسرے تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے بھی اس میری کتاب سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور یہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ اس کتاب کا اصل مدعا مسلمانوں اور عیسائیوں کی اُس غلطی کی اصلاح ہے جو ان کے بعض اعتقادات میں دخل پا گئی ہے یہ بیان کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں۔

واضح ہو کہ اکثر مسلمانوں اور عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ چلے گئے ہیں۔ اور یہ دونوں فرقے ایک مدت سے یہی گمان کرتے چلے آتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور کسی وقت آخری زمانہ میں پھر زمین پر نازل ہوں گے اور ان دونوں فریق یعنے اہل اسلام اور مسیحیوں کے بیان میں فرق صرف اتنا ہے کہ عیسائی تو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان دی اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ گئے اور اپنے باپ کے دائیں ہاتھ جا بیٹھے اور پھر آخری زمانہ میں دُنیا کی عدالت کے لیے زمین پر آئیں گے اور کہتے ہیں کہ دُنیا کا خدا
ص۴ اور خالق اور مالک وہی یسوع مسیح ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہی ہے جو دُنیا کے اخیر میں سزا جزا دینے کے لیے جلالی طور پر نازل ہوگا تب ہر ایک آدمی جس نے اُس کو یا اس کی ماں کو بھی خدا کر کے نہیں مانا پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا جہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ مگر مسلمانوں کے مذکورہ بالا فرقے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے اور نہ صلیب

پر مرے بلکہ اس وقت جبکہ یہودیوں نے اُن کو مصلوب کرنے کے لیے گرفتار کیا خدا کا فرشتہ ان کو مع جسمِ عنصری آسمان پر لے گیا اور ابتک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور مقام ان کا دُوسرا آسمان ہے جہاں حضرت یحییٰ نبی یعنی یوحنّا ہیں۔ اور نیز مسلمان یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بزرگ نبی ہے مگر نہ خدا ہے اور نہ خدا کا بیٹا اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے منارہ کے قریب یا کسی اور جگہ اُتریں گے اور امام محمد مہدی کے ساتھ ملکر جو پہلے سے بنی فاطمہ میں سے دُنیا میں آیا ہوا ہوگا دُنیا کی تمام غیر قوموں کو قتل کر ڈالیں گے اور بجز ایسے شخص کے جو بلا توقف مُسلمان ہوجائے اور کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ غرض مسلمانوں کا وہ فرقہ جو اپنے تئیں اہل سنّت یا اہلحدیث کہتے ہیں جنکو عوام وہابی کے نام سے پکارتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے دوبارہ زمین پر نازل ہونے سے اصل مقصد یہ قرار دیتے ہیں کہ تا وہ ہندوؤں کے مہادیو کی طرح تمام دُنیا کو فنا کر ڈالیں۔ اوّل یہ دھمکی دیں کہ مسلمان ہوجائیں اور اگر پھر بھی لوگ کفر پر قائم رہیں تو سب تہ تیغ کردیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسی غرض سے وہ جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ رکھے گئے ہیں کہ تا ایسے زمانہ میں جبکہ اسلامی سلاطین کی طاقتیں کمزور ہوجائیں آسمان سے اُتر کر غیر قوموں کو ماریں اور جبر سے مُسلمان کریں یا بصورت انکار قتل کردیں۔ بالخصوص عیسائیوں کی نسبت بڑے زور سے فرقہ مذکورہ کے عالم یہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے تو وہ دُنیا کی تمام صلیبوں کو توڑ دینگے اور تلوار کے ساتھ سخت بے رحمی کی کارروائیاں کریں گے اور دُنیا کو خون میں غرق کردینگے اور جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے یہ لوگ یعنی مُسلمانوں میں سے اہلحدیث وغیرہ بڑے جوش سے یہ اعتقاد ظاہر

ص۵ کرتے ہیں کہ مسیح کے اُترنے سے کچھ عرصہ پہلے بنی فاطمہ میں سے ایک امام پیدا ہوگا جس کا نام محمد مہدی ہوگا اور دراصل خلیفۂ وقت اور بادشاہ وہی ہوگا کیونکہ وہ قریش میں سے ہوگا۔ اور چونکہ اصل غرض اُس کی یہ ہوگی کہ تمام غیر قوموں کو جو اسلام سے منکر ہیں قتل کردیا جائے بجز ایسے شخص کے کہ جو جلدی سے کلمہ پڑھ لے اس لیے اس کی مدد اور ہاتھ بٹانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے اور گو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بجائے خود ایک مہدی ہیں بلکہ بڑے مہدی وہی ہیں لیکن اس سبب سے کہ خلیفہ وقت قریش میں سے ہونا چاہیے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفۂ وقت نہیں ہونگے بلکہ خلیفۂ وقت وہی محمد مہدی ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ دونوں ملکر زمین کو انسانوں کے خون سے بھر دیں گے اور اس قدر خونریزی کریں گے جس کی نظیر ابتداء دُنیا سے اخیر تک کسی جگہ نہیں پائی جائے گی اور آتے ہی خونریزی ہی شروع کردیں گے اور کوئی وعظ وغیرہ نہیں کرینگے اور نہ کوئی نشان دکھائیں گے اور کہتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام محمد مہدی کے لیے بطور مشیر یا وزیر کے ہونگے اور عنانِ حکومت صرف مہدی کے ہاتھ میں ہوگی لیکن حضرت مسیح تمام دنیا کے قتل کرنے کے لیے حضرت امام محمد مہدی کو ہر وقت اُکسائیں گے اور تیز مشورے دیتے رہیں گے گویا اُس اخلاقی زمانہ کی کسر نکالیں گے جبکہ آپ نے یہ تعلیم دی تھی کہ کسی شر کا مقابلہ مت کرو اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری گال بھی پھیر دو۔

یہ مُسلمانوں اور مسیحیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت عقیدے ہیں اور اگرچہ عیسائیوں کی یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کو خدا کہتے ہیں لیکن بعض اہلِ اسلام جن میں سے اہل حدیث کا وہ فرقہ بھی ہے جن کو وہابی بھی کہتے

ہیں انکے یہ عقائد کہ جو خونی مہدی اور خونی مسیح موعود کی نسبت ان کے دلوں میں ہیں ان کی اخلاقی حالتوں پر نہایت بداثر ڈال رہے ہیں۔ یہانتک کہ وہ اس بداثر کی وجہ سے نہ کسی دوسری قوم سے نیک نیتی اور صلح کاری اور دیانت کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اور نہ کسی دوسری گورنمنٹ کے نیچے سچی اور کامل اطاعت اور وفاداری سے بسر کر سکتے ہیں اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسا عقیدہ سخت اعتراض کی جگہ ہے کہ غیر قوموں پر اس قدر جبر کیا جائے کہ یا تو بلاتوقف مسلمان ہو جائیں اور یا قتل کیے جائیں۔ اور ہر ایک کانشنس بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ قبل اس کے کہ کوئی شخص کسی دین کی سچائی کو سمجھ لے اور اس کی نیک تعلیم اور خوبیوں سے مطلع ہو جائے یونہی جبر اور اکراہ اور قتل کی دھمکی سے اس کو اپنے دین میں داخل کرنا سخت ناپسندیدہ طریقہ ہے اور ایسے طریقہ سے دین کی ترقی تو کیا ہوگی بلکہ برعکس اس کے ہر ایک مخالف کو اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے اور ایسے اصولوں کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی ہمدردی بکلّی دل سے اٹھ جائے اور رحم اور انصاف جو انسانیت کا ایک بھاری خلق ہے ناپدید ہو جائے اور بجائے اس کے کینہ اور بداندیشی بڑھتی جائے اور صرف درندگی باقی رہ جائے اور اخلاق فاضلہ کا نام و نشان نہ رہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے اصول اس خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتے جس کا ہر ایک مواخذہ اتمام حجت کے بعد ہے۔ (ص ۶)

سوچنا چاہیے کہ اگر مثلاً ایک شخص ایک سچے مذہب کو اس وجہ سے قبول نہیں کرتا کہ وہ اس کی سچائی اور اس کی پاک تعلیم اور اس کی خوبیوں سے ہنوز ناواقف اور بے خبر ہے تو کیا ایسے شخص کے ساتھ یہ برتاؤ مناسب ہے کہ بلاتوقف اس کو قتل کر دیا جائے بلکہ ایسا شخص قابل رحم ہے اور اس لائق ہے کہ نرمی اور خلق سے اس مذہب کی سچائی اور خوبی اور روحانی منفعت اس پر ظاہر کی جائے نہ یہ کہ اس کے انکار کا تلوار یا بندوق سے جواب دیا جائے۔ لہٰذا اس زمانہ کے ان اسلامی فرقوں کا مسئلہ جہاد اور پھر اس کے ساتھ یہ تعلیم کہ عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے جب ایک خونی مہدی پیدا ہوگا جس کا نام امام محمد ہوگا اور مسیح اس کی مدد کے لیے آسمان سے اتریگا اور وہ دونوں مل کر دنیا کی تمام غیر قوموں کو اسلام کے انکار پر قتل کر دیں گے نہایت درجہ اخلاقی مسئلہ کے مخالف ہے۔ کیا یہ وہ عقیدہ نہیں ہے کہ جو انسانیت کے تمام پاک قویٰ کو معطل کرتا اور درندوں کی طرح جذبات پیدا کر دیتا ہے اور ایسے عقائد والوں کو ہر ایک قوم سے منافقانہ زندگی بسر کرنی پڑتی ہے یہانتک کہ غیر قوم کے حکام کے ساتھ بھی سچی اطاعت کے ساتھ پیش آنا محال ہو جاتا ہے بلکہ دروغ گوئی کے ذریعہ سے ایک جھوٹی اطاعت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک برٹش انڈیا میں اہل حدیث کے بعض فرقے جن کی طرف ہم ابھی اشارہ (ص ۷)

---

٭ اہل حدیث میں سے بعض بڑی گستاخی اور ناحق شناسی سے اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ عنقریب مہدی پیدا ہونے والا ہے اور وہ ہندوستان کے بادشاہ انگریزوں کو اپنا اسیر بنائے گا اور اس وقت عیسائی بادشاہ گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ یہ کتابیں ابتک ان اہل حدیث کے گھروں میں موجود ہیں منجملہ ان کے کتاب اقتراب الساعۃ ایک بڑے مشہور اہلحدیث کی تصنیف ہے جسکے صفحہ ۶۴ میں یہی قصہ لکھا ہے۔ منہ

کر آتے ہیں گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت دو رویہ طرز کی زندگی بسر کر رہے ہیں یعنی پوشیدہ طور پر عوام کو وہی خونریزی کے زمانہ کی امیدیں دیتے ہیں اور خونی مہدی اور خونی مسیح کے انتظار میں ہیں اور اسی کے مطابق مسئلے سکھاتے ہیں اور پھر جب حکام کے سامنے جاتے ہیں تو ان کی خوشامدیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایسے عقیدوں کے مخالف ہیں لیکن اگر سچ مچ مخالف ہیں تو کیا وجہ کہ وہ اپنی تحریرات کے ذریعہ سے اس کی عام اشاعت نہیں کرتے اور کیا وجہ کہ وہ آنیوالے خونی مہدی اور مسیح کی ایسے طور سے انتظار کر رہے ہیں کہ گویا اس کے ساتھ شامل ہونے کے لیے دروازے پر کھڑے ہیں۔ غرض ایسے اعتقادات سے اس قسم کے مولویوں کی اخلاقی حالت میں بہت کچھ تنزل پیدا ہوگیا ہے اور وہ اس لائق نہیں رہے کہ نرمی اور صلحکاری کی تعلیم دے سکیں بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو خواہ نخواہ قتل کرنا دینداری کا ایک بڑا فرض سمجھا گیا ہے۔ ہم اس سے بہت خوش ہیں کہ کوئی فرقہ اہلحدیث میں سے ان غلط عقیدوں کا مخالف ہو۔ لیکن ہم اس بات کو افسوس کے ساتھ بیان کرنے سے رک نہیں سکتے کہ اہل حدیث کے فرقوں میں سے وہ چھپے وہابی بھی ہیں جو خونی مہدی اور جہاد کے مسائل کو مانتے ہیں اور طریق صحیح کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور کسی موقع کے وقت میں دوسرے مذاہب کے تمام لوگوں کو قتل کر دینا بڑے ثواب کا طریق خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ عقائد یعنے اسلام کے لیے قتل یا ایسی پیشگوئیوں پر عقیدہ رکھنا کہ گویا کوئی خونی مہدی یا خونی مسیح دُنیا میں آئے گا اور خونریزی اور خونریزی کی دھمکیوں سے اسلام کو ترقی دینا چاہے گا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بالکل مخالف ہیں۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اور پھر بعد اس کے بھی کفار کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھایا اور بالخصوص مکہ کے تیرہ برس اس مصیبت اور طرح طرح کے ظلم اٹھانے میں گذرے کہ جس کے تصور سے بھی رونا آتا ہے لیکن آپ نے اس وقت تک دشمنوں کے مقابل پر تلوار نہ اُٹھائی اور نہ ان کے سخت کلمات کا سخت جواب دیا جب تک کہ بہت سے صحابہ اور آپ کے عزیز دوست بڑی بے رحمی سے قتل کیے گئے اور طرح طرح سے آپ کو بھی جسمانی دکھ دیا گیا اور کئی دفعہ زہر بھی دی گئی اور کئی قسم کی تجویزیں قتل کرنے کی کی گئیں جن میں مخالفوں کو ناکامی رہی جب خدا کے انتقام کا وقت آیا تو ایسا ہوا کہ مکہ کے تمام رئیسوں اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اتفاق کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بہرحال اس شخص کو قتل کر دینا چاہیے اس وقت خدا نے جو اپنے پیاروں اور صدیقوں اور راستبازوں کا حامی ہوتا ہے آپ کو خبر دے دی کہ اس شہر میں اب بجز بدی کے کچھ نہیں اور قتل پر کمربستہ ہیں یہاں سے جلد بھاگ جاؤ تب آپ بحکم الٰہی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے مگر پھر بھی مخالفوں نے پیچھا نہ چھوڑا بلکہ تعاقب کیا۔ اور بہرحال اسلام کو پامال کرنا چاہا۔ جب اس حد تک ان لوگوں کی شوخی پہنچ گئی اور کئی بے گناہوں کے قتل کرنے کے جرم نے بھی ان کو سزا کے لائق بنایا تب ان کے ساتھ لڑنے کے لیے بطور مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کی اجازت دی گئی اور نیز وہ لوگ بہت سے بے گناہ مقتولوں کے عوض میں جن کو انہوں نے بغیر کسی معرکہ جنگ کے محض شرارت سے قتل کیا تھا اور ان کے مالوں پر قبضہ کیا تھا اس لائق ہو گئے تھے کہ اسی طرح ان کے ساتھ اور ان کے معاونوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا۔ مگر مکہ کی فتح کے وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بخش دیا لہٰذا یہ خیال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپکے صحابہ نے کبھی دین پھیلانے کے لیے لڑائی کی تھی یا کسی کو جبراً اسلام میں داخل کیا تھا سخت غلطی اور ظلم ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ اُس زمانہ میں ہر ایک قوم کا اسلام کے ساتھ تعصب بڑھا ہوا تھا اور مخالف لوگ اس کو ایک فرقہ جدیدہ اور جماعتِ قلیلہ سمجھ کر اس کے نیست و نابود کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے اور ہر ایک اس فکر میں تھا کہ کسی طرح یہ لوگ جلد نابود ہو جائیں اور یا ایسے منتشر ہوں کہ ان کی ترقی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے اس وجہ سے بات بات میں ان کی طرف سے مزاحمت تھی اور ہر ایک قوم میں سے جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا وہ قوم کے ہاتھ سے یا تو فی الفور مارا جاتا اور یا اس کی زندگی سخت خطرہ میں رہتی تھی تو ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے تو مسلم لوگوں پر رحم کر کے ایسی متعصب طاقتوں پر یہ تعزیر لگادی تھی کہ وہ اسلام کے خراج دِہ ہو جائیں اور اس طرح اسلام کے لیے آزادی کے دروازے کھول دیں اور اس سے مطلب یہ تھا کہ تا ایمان لانے والوں کی راہ سے روکیں دُور ہو جائیں اور یہ دُنیا پر خدا کا رحم تھا اور اس میں کسی کا حرج نہ تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس وقت کے غیر قوم کے بادشاہ اسلام کی مذہبی آزادی کو نہیں روکتے۔ اسلامی فرائض کو بند نہیں کرتے اور اپنی قوم کے مسلمان ہونے والوں کو قتل نہیں کرتے۔ انکو قید خانوں میں نہیں ڈالتے انکو طرح طرح کے دُکھ نہیں دیتے تو پھر کیوں اسلام انکے مقابل پر تلوار اٹھاوے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام نے کبھی جبر کا مسئلہ نہیں سکھایا۔ اگر قرآن شریف اور تمام حدیث کی کتابوں اور تاریخ کی کتابوں کو غور سے دیکھا جائے اور جہاں تک انسان کے لیے ممکن ہے تدبر سے پڑھا یا سُنا جائے تو اس قدر وسعت معلومات کے بعد قطعی یقین کے ساتھ معلوم ہوگا کہ یہ اعتراض کہ گویا اسلام نے دین کو جبراً پھیلانے کے لیے تلوار اُٹھائی ہے نہایت بے بنیاد اور قابلِ شرم الزام ہے اور یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے تعصب سے الگ ہو کر قرآن اور حدیث اور اسلام کی معتبر تاریخوں کو نہیں دیکھا بلکہ جھوٹ اور بہتان لگانے سے پورا پورا کام لیا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ قریب آتا جاتا ہے کہ راستی کے بھوکے اور پیاسے ان بہتانوں کی حقیقت پر مطلع ہو جائیں۔ کیا اُس مذہب کو ہم جبر کا مذہب کہہ سکتے ہیں جس کی کتاب قرآن میں صاف طور پر یہ ہدایت ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین میں داخل کرنے کے لیے جبر جائز نہیں۔ کیا ہم اس بزرگ نبی کو جبر کا الزام دے سکتے ہیں جس نے مکہ معظمہ کے تیرہ برس میں اپنے تمام دوستوں کو دن رات یہی نصیحت دی کہ شر کا مقابلہ مت کرو اور صبر کرتے رہو ہاں جب دشمنوں کی بدی حد سے گذر گئی اور دین اسلام کے مٹا دینے کے لیے تمام قوموں نے کوشش کی تو اس وقت غیرت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ تلوار اُٹھاتے ہیں وہ تلوار ہی سے قتل کیے جائیں ورنہ قرآن شریف نے ہرگز جبر کی تعلیم نہیں دی۔ اگر جبر کی تعلیم ہوتی تو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جبر کی تعلیم کی وجہ سے اس لائق نہ ہوتے کہ امتحانوں کے موقع پر سچے ایمانداروں کی طرح صدق دکھلا سکتے لیکن ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی وفاداری ایک ایسا امر ہے کہ اس کے اظہار کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اُن سے صدق اور وفاداری کے نمونے اس درجہ پر ظہور میں آئے کہ دوسری قوموں میں اُن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس وفادار قوم نے تلواروں کے نیچے بھی اپنی وفاداری اور صدق کو نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بزرگ اور پاک نبی کی رفاقت میں وہ صدق دکھلایا کہ کبھی انسان میں وہ صدق نہیں آسکتا جب تک ایمان سے اس کا دل اور سینہ منور نہ ہو۔ غرض اسلام میں جبر کو دخل نہیں۔ اسلام کی لڑائیاں تین قسم سے باہر نہیں (۱) دفاعی طور پر یعنی بطریق حفاظت خود اختیاری۔ (۲) بطور سزا یعنی خون کے عوض میں خون۔ (۳) بطور آزادی قائم کرنے کے لیے یعنے بغرض مزاحموں کی قوت توڑنے کے جو مسلمان

ہونے پر قتل کرتے تھے۔ پس جس حالت میں اسلام میں یہ ہدایت ہی نہیں کہ کسی شخص کو جبر اور قتل کی دھمکی سے دین میں داخل کیا جائے تو پھر کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کی انتظار کرنا سراسر لغو اور بیہودہ ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآنی تعلیم کے برخلاف کوئی ایسا انسان بھی دنیا میں آوے جو تلوار کے ساتھ لوگوں کو مسلمان کرے۔ یہ بات ایسی نہ تھی کہ سمجھ نہ آسکتی یا اس کے سمجھنے میں کچھ مشکلات ہوتیں لیکن نادان لوگوں کو نفسانی طمع نے اس عقیدہ کی طرف جھکایا ہے۔ کیونکہ ہمارے اکثر مولویوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مہدی کی لڑائیوں کے ذریعہ سے بہت سا مال ان کو ملے گا یہانتک کہ وہ سنبھال نہیں سکیں گے اور چونکہ آج کل اس ملک کے اکثر مولوی بہت تنگدست ہیں اس وجہ سے بھی وہ ایسے مہدی کے دن رات منتظر ہیں کہ تا شاید اسی ذریعہ سے ان کی نفسانی خواہشیں پوری ہوں لہٰذا جو شخص ایسے مہدی کے آنے سے انکار کرے یہ لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس کو فی الفور کافر ٹھہرایا جاتا اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مَیں بھی انہی وجوہ سے ان لوگوں کی نظر میں کافر ہوں کیونکہ ایسے خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے کا قائل نہیں ہوں بلکہ ان بیہودہ عقیدوں کو سخت کراہت اور نفرت سے دیکھتا ہوں اور میرے کافر کہنے کی صرف یہی وجہ نہیں کہ مَیں نے ایسے فرضی مہدی اور فرضی مسیح کے آنے سے انکار کر دیا ہے جس پر ان کا اعتقاد ہے بلکہ ایک یہ بھی وجہ ہے کہ مَیں نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر اس بات کا عام طور پر اعلان کیا ہے کہ وہ حقیقی اور واقعی مسیح موعود جو وہی درحقیقت مہدی بھی ہے جس کے آنے کی بشارت انجیل اور قرآن میں پائی جاتی ہے اور احادیث میں بھی اس کے آنے کے لیے وعدہ دیا گیا ہے وہ مَیں ہی ہوں مگر بغیر تلواروں اور بندوقوں کے۔ اور خدا نے مجھے حکم دیا کہ نرمی اور آہستگی اور حلم اور غربت کے ساتھ اس خدا کی طرف لوگوں کو توجہ دلاؤں جو سچا خدا اور قدیم اور غیر متغیر ہے اور کامل تقدس اور کامل علم اور کامل رحم اور کامل انصاف رکھتا ہے۔

اس تاریکی کے زمانہ کا نور مَیں ہی ہوں جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ مجھے اُس نے بھیجا ہے کہ تا مَیں امن اور حلم کے ساتھ دُنیا کو سچے خدا کی طرف رہبری کروں۔ اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کر دوں۔ اور مجھے اس نے حق کے طالبوں کی تسلی پانے کے لیے آسمانی نشان بھی عطا فرمائے ہیں اور میری تائید میں اپنے عجیب کام دکھلائے ہیں اور غیب کی باتیں اور آئندہ کے بھید جو خدائے تعالیٰ کی پاک کتابوں کی رو سے صادق کی شناخت کے لیے اصل معیار ہے میرے پر کھولے ہیں اور پاک معارف اور علوم مجھے عطا فرمائے ہیں۔ اس لیے ان روحوں نے مجھ سے دشمنی کی جو سچائی کو نہیں چاہتیں اور تاریکی سے خوش ہیں مگر مَیں نے چاہا کہ جہانتک مجھ سے ہو سکے نوع انسان کی ہمدردی کروں۔ سو اس زمانہ میں عیسائیوں کے ساتھ بڑی ہمدردی یہ ہے کہ ان کو اس سچے خدا کی طرف توجہ دی جائے جو پیدا ہونے اور مرنے اور دُکھ درد وغیرہ نقصانوں سے پاک ہے وہ خدا جس نے تمام ابتدائی اجسام و اجرام کو کروی شکل پر پیدا کر کے اپنے قانونِ قدرت میں یہ ہدایت منقوش کی کہ اس کی ذات میں کرویت کی طرح وحدت اور یک جہتی ہے اس لیے بسیط چیزوں میں سے کوئی چیز سہ گوشہ پیدا نہیں کی گئی یعنی جو کچھ خدا کے ہاتھ سے پہلے پہلے نکلا جیسے زمین آسمان سورج چاند اور تمام ستارے اور عناصر وہ سب کروی ہیں جن کی کرویت توحید

کی طرف اشارہ کر رہی ہے سو عیسائیوں سے سچی ہمدردی اور سچی محبت اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ اس خدا کی طرف ان کو رہبری کی جائے جس کے ہاتھ کی چیزیں اس کو تثلیث سے پاک ٹھہراتی ہیں۔

اور مسلمانوں کے ساتھ بڑی ہمدردی یہ ہے کہ ان کی اخلاقی حالتوں کو درست کیا جائے اور ان کی ان جھوٹی امیدوں کو کہ ایک خونی مہدی اور مسیح کا ظاہر ہونا اپنے دلوں میں جمائے بیٹھے ہیں جو اسلامی ہدایتوں کی سراسر مخالف ہیں زائل کیا جائے۔ اور میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حال کے بعض علماء کے یہ خیالات کہ مہدی خونی آئیگا اور تلوار سے اسلام کو پھیلائے گا یہ تمام خیالات قرآنی تعلیم کے مخالف اور صرف نفسانی آرزوئیں ہیں اور ایک نیک اور حق پسند مسلمان کے لیے ان خیالات سے باز آجانے کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے کہ قرآنی ہدایتوں کو غور سے پڑھے اور ذرہ ٹھہر کر اور فکر اور سوچ سے کام لے کر نظر کرے کہ کیونکہ خدائے تعالےٰ کا پاک کلام اس بات کا مخالف ہے کہ کسی کو دین میں داخل کرنے کے لیے قتل کی دھمکی دی جائے۔ غرض یہی ایک دلیل ایسے عقیدوں کے باطل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے لیکن تاہم میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ تاریخی واقعات وغیرہ روشن ثبوتوں سے بھی مذکورہ بالا عقائد کا باطل ہونا ثابت کردوں۔ سو میں اس کتاب میں یہ ثابت کروں گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر گئے اور نہ کبھی امید رکھنی چاہیے کہ وہ پھر زمین پر آسمان سے نازل ہوں گے۔ بلکہ وہ ایک سو بیس برس کی عمر پاکر سرینگر کشمیر میں فوت ہوگئے اور سرینگر محلہ خانیار میں ان کی قبر ہے۔ اور میں نے صفائی بیان کے لیے اس تحقیق کو دس باب اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے (۱) اوّل وہ شہادتیں جو اس بارے میں انجیل سے ہم کو ملی ہیں (۲) دوم وہ شہادتیں جو اس بارے میں قرآن شریف اور حدیث سے ہم کو ملی ہیں (۳) سوم وہ شہادتیں جو طبابت کی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں (۴) چہارم وہ شہادتیں جو تاریخی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں۔ (۵) پنجم وہ شہادتیں جو زبانی تواترات سے ہم کو ملی ہیں۔ (۶) ششم وہ شہادتیں جو قرائن متفرقہ سے ہم کو ملی ہیں۔ (۷) ہفتم وہ شہادتیں جو معقولی دلائل سے ہم کو ملی ہیں۔ (۸) ہشتم وہ شہادتیں جو خدائے تعالیٰ کے تازہ الہام سے ہم کو ملی ہیں۔ یہ آٹھ باب ہیں (۹) نویں باب میں برعایت اختصار عیسائی مذہب اور اسلام کی تعلیم کی رو سے مقابلہ کرکے دکھلایا جائے گا اور اسلامی مذہب کے سچائی کے دلائل بیان کیے جائیں گے۔ (۱۰) دسویں باب میں کچھ زیادہ تفصیل ان امور کی کیجائے گی جن کے لیے خدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ اور یہ بیان ہوگا کہ میرے مسیح موعود اور منجانب اللہ ہونیکا ثبوت کیا ہے اور آخیر پر ایک خاتمہ کتاب کا ہوگا جس میں بعض ضروری ہدائتیں درج ہوں گی۔

ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں اور یونہی بدظنی سے ان سچائیوں کو ہاتھ سے پھینک نہ دیں اور یاد رکھیں کہ ہماری یہ تحقیق سرسری نہیں ہے بلکہ یہ ثبوت نہایت تحقیق اور تفتیش سے ہم پہنچایا گیا ہے۔ اور ہم خدائے تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کام میں ہماری مدد کرے اور اپنے خاص الہام اور القا سے سچائی کی پوری روشنی ہمیں عطا فرما دے کہ ہر ایک صحیح علم اور صاف معرفت اسی سے اُترتی اور اسی کی توفیق سے دلوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان
۲۵- اپریل ۱۸۹۹ء

صفحہ ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پہلا باب

جاننا چاہیے کہ اگرچہ عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا اسکریوطی کی شرارت سے گرفتار ہوکر مصلوب ہو گئے اور پھر زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے۔ لیکن انجیل شریف پر غور کرنے سے یہ اعتقاد سراسر باطل ثابت ہوتا ہے۔ متی باب ۱۲ آیت ۴۰ میں لکھا ہے کہ جیسا کہ یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا تھا تو صرف بیہوشی اور غشی تھی۔ اور خدا کی پاک کتابیں یہ گواہی دیتی ہیں کہ یونس خدا کے فضل سے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور زندہ نکلا۔ اور آخر قوم نے اس کو قبول کیا۔ پھر اگر حضرت مسیح علیہ السلام زمین کے پیٹ میں مر گئے تھے تو مُردہ کو زندہ سے کیا مشابہت اور زندہ کو مُردہ سے کیا مناسبت؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح ایک نبی صادق تھا اور جانتا تھا کہ وہ خدا جس کا وہ پیارا تھا لعنتی موت سے اس کو بچائیگا اس لیے اس نے خدا سے الہام پاکر پیشگوئی کے طور پر یہ مثال بیان کی تھی اور اس مثال میں جتلا دیا تھا کہ وہ صلیب پر نہیں مریگا اور لعنت کی لکڑی پر اس کی جان نہیں نکلے گی بلکہ یونس نبی کی طرح صرف غشی کی حالت ہوگی۔ اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر پھر قوم سے ملے گا۔ اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائیگا۔ سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ کیونکہ مسیح زمین کے پیٹ میں سے نکل کر اپنی قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں یعنی بنی اسرائیل کے وہ دس فرقے جن کو شالمنذر[1] شاہ اسور سامریہ سے مسیح سے سات سو اکیس[2] برس پیشتر اسیر کر کے لے گیا آخر وہ ہندوستان کی طرف آکر اس ملک کے متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور ضرور تھا کہ مسیح اس سفر کو اختیار کرتا کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہی اس کی نبوت کی علت غائی تھی کہ وہ ان گمشدہ یہودیوں کو ملتا جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے وجہ یہ کہ درحقیقت وہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھیں جنھوں نے ان ملکوں میں آکر اپنے باپ دادے کا مذہب بھی ترک کر دیا تھا اور اکثر ان کے بدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ بُت پرستی تک نوبت پہنچی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر برنیر[3] نے بھی اپنی کتاب وقائع سیر و سیاحت میں کئی اہل علم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ کشمیر کے باشندے دراصل یہودی ہیں کہ جو تفرقہ شاہ اسور

۱۵

---

[1] Shalmenesar

[2] اور ان کے سوا یہودی بھی بابلی حوادث سے مشرقی بلاد کی طرف جلا وطن ہوتے۔ منہ

[3] Dr. Bernier, Travels Vol. II published by Archi bald Constable London 1891

کے ایام میں اس ملک میں آگئے تھے[1]۔ بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان گمشدہ بھیڑوں کی تلاش کرتے جو اس ملک ہند میں آکر دوسری قوموں میں مخلوط ہوگئی تھیں۔ چنانچہ آگے چل کر ہم اس بات کا ثبوت دیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الواقع اس ملک ہند میں آئے اور پھر منزل بمنزل کشمیر میں پہنچے اور اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کا بدھ مذہب میں پتہ لگالیا۔ اور انہوں نے آخر اس کو اسی طرح قبول کیا جیسا کہ یونس کی قوم نے یونس کو قبول کرلیا تھا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ مسیح انجیل میں اپنی زبان سے اس بات کو بیان کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔

ماسوا اس کے صلیب کی موت سے نجات پانا اس کو اس لیے بھی ضروری تھا کہ مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے اور لعنت کا ایک ایسا مفہوم ہے کہ جو عیسیٰ مسیح جیسے برگزیدہ پر ایک دم کے لیے بھی تجویز کرنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے کیونکہ بالاتفاق تمام اہل زبان لعنت کا مفہوم دل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس حالت میں کسی کو ملعون کہا جائیگا جب کہ حقیقت ص۱۶ میں اس کا دل خدا سے برگشتہ ہوکر سیاہ ہو جائے اور خدا کی رحمت سے بے نصیب اور خدا کی محبت سے بے بہرہ اور خدا کی معرفت سے بکلّی تہی دست اور خالی اور شیطان کی طرح اندھا اور بے بہرہ ہوکر گمراہی کے زہر سے بھرا ہوا ہو اور خدا کی محبت اور معرفت کا نور ایک ذرہ اس میں باقی نہ رہے اور تمام تعلق مہر و وفا کا ٹوٹ جائے اور اس میں اور خدا میں باہم بغض اور نفرت اور کراہت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہانتک کہ خدا اس کا دشمن اور وہ خدا کا دشمن ہو جائے اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو جائے۔ غرض ہر ایک صفت میں شیطان کا وارث ہو جائے اور اسی وجہ سے لعین شیطان کا نام ہے[2]۔ اب ظاہر ہے کہ ملعون کا مفہوم ایسا پلید اور ناپاک ہے کہ کسی طرح کسی راستباز پر جو کہ اپنے دل میں خدا کی محبت رکھتا ہے صادق نہیں آسکتا۔ افسوس کہ عیسائیوں نے اس اعتقاد کے ایجاد کرنے کے وقت لعنت کے مفہوم پر غور نہیں کی ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ لوگ ایسا خراب لفظ مسیح جیسے راستباز کی نسبت استعمال کرسکتے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح پر کبھی ایسا زمانہ آیا تھا کہ اُس کا دل درحقیقت خدا سے برگشتہ اور خدا کا منکر اور خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن ہوگیا تھا؟ کیا ہم گمان کرسکتے ہیں کہ مسیح کے دل نے کبھی یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اب خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور کفر اور انکار کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے؟ پھر اگر مسیح کے دل پر کبھی ایسی حالت نہیں آئی بلکہ وہ ہمیشہ محبت اور معرفت کے نور سے بھرا رہا تو اے دانشمندو! یہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیونکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کے دل پر نہ ایک لعنت بلکہ ہزاروں خدا کی لعنتیں اپنی کیفیت کے ساتھ نازل ہوئی تھیں۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ تو پھر ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ لعنتی ہوا؟ نہایت افسوس ہے کہ انسان جب ایک بات مُنہ سے نکال لیتا ہے یا ایک عقیدہ پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر گو کیسی ہی خرابی اس عقیدہ کی کھل جائے کسی طرح اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ نجات حاصل کرنے کی تمنّا اگر کسی حقیقت حقہ پر بنیاد رکھتی ہو تو قابلِ تعریف امر ہے لیکن یہ کیسی نجات کی خواہش ہے جس سے ایک سچائی کا خون کیا جاتا اور ایک پاک نبی اور کامل انسان کی نسبت ص۱۷

[1] دیکھو جلد دوم واقعات سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر فرانسیسی

[2] دیکھو کتب لغت لسان العرب۔ صحاح جوہری۔ قاموس۔ محیط۔ تاج العروس وغیرہ۔ منہ

یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ گویا اُس پر یہ حالت بھی آئی تھی کہ اس کا خدائے تعالیٰ سے رشتہ تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ اور بجائے یکدلی اور یکجہتی کے مغائرت اور مباینت اور عداوت اور بیزاری پیدا ہوگئی تھی اور بجائے نور کے دل پر تاریکی چھاگئی تھی۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایسا خیال صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ نبوت اور مرتبہ رسالت کے ہی مخالف نہیں بلکہ ان کے اس دعویٰ کمال اور پاکیزگی اور محبت اور معرفت کے بھی مخالف ہے جو انھوں نے جابجا انجیل میں ظاہر کیا ہے۔ انجیل کو پڑھ کر دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ مَیں جہان کا نور ہوں۔ مَیں ہادی ہوں اور مَیں خدا سے اعلیٰ درجہ کی محبت کا تعلق رکھتا ہوں اور مَیں نے اس سے پاک پیدائش پائی ہے اور مَیں خدا کا پیارا بیٹا ہوں۔ پھر باوجود ان غیر منفک اور پاک تعلقات کے لعنت کا ناپاک مفہوم کیونکر مسیح کے دل پر صادق آسکتا ہے۔ ہرگز نہیں پس بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنی صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اس کی ذات صلیب کے نتیجہ سے پاک ہے اور جبکہ مصلوب نہیں ہوا تو لعنت کے ناپاک کیفیت سے بیشک اس کے دل کو بچایا گیا۔ اور بلاشبہ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ وہ آسمان پر ہرگز نہیں گیا کیونکہ آسمان پر جانا اس منصوبہ کی ایک جز تھی اور مصلوب ہونے کی ایک فرع تھی۔ پس جبکہ ثابت ہوا کہ وہ نہ لعنتی ہوا اور نہ تین دن کے لیے دوزخ میں گیا اور نہ مرا تو پھر یہ دوسری جز آسمان پر جانے کی بھی باطل ثابت ہوئی اور اس پر اور بھی دلائل ہیں جو انجیل سے پیدا ہوتے ہیں اور ہم وہ ذیل میں لکھتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ قول ہے جو مسیح کے منہ سے نکلا "لیکن میں اپنے جی اُٹھنے کے بعد تم سے آگے جلیل کو جاؤں گا" دیکھو متی باب ۲۶۔ آیت ۳۲۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح قبر سے نکلنے کے بعد جلیل کی طرف گیا تھا نہ آسمان کی طرف۔ اور مسیح کا یہ کلمہ کہ "اپنے جی اُٹھنے کے بعد" اس سے مرنے کے بعد جینا مراد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ چونکہ [ص۱۸]
یہودیوں اور عام لوگوں کی نظر میں وہ صلیب پر مرچکا تھا اس لیے مسیح نے پہلے سے ان کے آئندہ خیالات کے موافق یہ کلمہ استعمال کیا۔ اور درحقیقت جس شخص کو صلیب پر کھینچا گیا اور اس کے پیروں اور ہاتھوں میں کیل ٹھوکے گئے یہانتک کہ وہ اس تکلیف سے غشی میں ہوکر مُردہ کی سی حالت میں ہوگیا اگر وہ ایسے صدمہ سے نجات پاکر پھر ہوش کی حالت میں آجائے تو اس کا یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ مَیں پھر زندہ ہوگیا اور بلاشبہ اس صدمۂ عظیمہ کے بعد مسیح کا بچ جانا ایک معجزہ تھا معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ مسیح کی جان نکل گئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ انجیلوں میں ایسے لفظ موجود ہیں لیکن یہ اسی قسم کی انجیل نویسوں کی غلطی ہے جیسا کہ اور بہت سے تاریخی واقعات کے لکھنے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ انجیلوں کے محقق شارحوں نے اس بات کو مان لیا ہے کہ انجیلوں میں دو حصے ہیں (۱) ایک دینی تعلیم ہے جو حواریوں کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ملی تھی جو اصل روح انجیل کا ہے (۲) اور دوسرے تاریخی واقعات ہیں جیسے حضرت عیسیٰ کا شجرہ نسب اور ان کا پکڑا جانا اور مارا جانا اور مسیح کے وقت میں ایک معجزہ نما تالاب کا ہونا وغیرہ یہ وہ امور ہیں جو لکھنے والوں نے اپنی طرف سے لکھے تھے۔ سو یہ باتیں الہامی نہیں ہیں بلکہ لکھنے والوں نے اپنے خیال کے موافق لکھے ہیں اور بعض جگہ مبالغہ بھی حد سے زیادہ کیا ہے جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے کہ جس قدر مسیح نے کام کیے یعنی معجزات دکھلائے اگر وہ کتابوں میں لکھے جاتے تو وہ کتابیں دنیا[ے] میں سما نہ سکتیں۔

---

ے یوحنا باب ۲۱۔ آیت ۲۵

یہ کس قدر مبالغہ ہے۔

ماسوا اس کے ایسے بڑے صدمہ کو جو مسیح پر وارد ہوا تھا موت کے ساتھ تعبیر کرنا خلافِ محاورہ نہیں ہے۔ ہر ایک قوم میں قریباً یہ محاورہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص ایک مہلک صدمہ میں مبتلا ہو کر پھر آخر بچ جائے اس کو کہا جاتا ہے کہ نئے سرے زندہ ہوا اور کسی قوم اور ملک کے محاورہ میں ایسی بول چال میں کچھ بھی تکلف نہیں۔

ان سب امور کے بعد ایک اور بات ملحوظ رکھنے کے لائق ہے کہ برناباس کی انجیل میں جو غالباً لندن کے کتب خانہ میں بھی ہوگی یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا اور نہ صلیب پر جان دی۔ اب ہم اس جگہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ گو یہ کتاب انجیلوں میں داخل نہیں کی گئی اور بغیر کسی فیصلہ کے ردّ کر دی گئی ہے۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ یہ ایک پرانی کتاب ہے اور اسی زمانہ کی ہے جبکہ دوسری انجیلیں لکھی گئیں کیا ہمیں اختیار نہیں ہے کہ اس پرانی اور دیرینہ کتاب کو عہد قدیم کی ایک تاریخی کتاب سمجھ لیں اور تاریخی کتابوں کے مرتبہ پر رکھ کر اس سے فائدہ اٹھاویں؟ اور کیا کم سے کم اس کتاب کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مسیح علیہ السلام کے صلیب کے وقت تمام لوگ اس بات پر اتفاق نہیں رکھتے تھے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے پھر ماسوا اس کے جبکہ خود ان چار انجیلوں میں ایسے استعارات موجود ہیں کہ ایک مُردہ کو کہہ دیا ہے کہ یہ سوتا ہے[1] مرا نہیں تو اس حالت میں اگر غشی کی حالت میں مُردہ کا لفظ بولا گیا تو کیا یہ بعید ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ نبی کے کلام میں جھوٹ جائز نہیں۔ مسیح نے اپنی قبر میں رہنے کے تین دن کو یونس کے تین دنوں سے مشابہت دی ہے[2] اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ یونس تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا ایسا ہی مسیح بھی تین دن قبر میں زندہ رہا اور یہودیوں میں اس وقت کی قبریں اس زمانہ کی قبروں کے مشابہ نہ تھیں بلکہ وہ ایک کوٹھے کی طرح اندر سے بہت فراخ ہوتی تھیں اور ایک طرف کھڑکی ہوتی تھی جس کو ایک بڑے پتھر سے ڈھانکا ہوا ہوتا تھا اور عنقریب ہم اپنے موقعہ پر ثابت کریں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر جو حال میں سرینگر کشمیر میں ثابت ہوئی ہے یہ بعینہٖ اسی طرز کی قبر ہے جیسا کہ وہ قبر تھی جس میں حضرت مسیح غشی کی حالت میں رکھے گئے۔

غرض یہ آیت جس کو ابھی ہم نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح قبر سے نکل کر گلیل کی طرف گیا اور مرقس کی انجیل میں لکھا ہے کہ وہ قبر سے نکل کر جلیل کی سڑک پر جاتا ہوا دکھائی دیا اور آخر اُن گیارہ حواریوں کو ملا۔ جبکہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں جو زخمی تھے دکھلائے اور انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ رُوح ہے۔ تب اس نے کہا کہ مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ رُوح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو اور ان سے ایک بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑہ اور شہد کا ایک چھتا لیا اور ان کے سامنے کھایا۔ دیکھو مرقس[3] باب ۱۶ آیت ۱۴۔ اور لوقا باب ۲۴ آیت ۳۹۔ اور ۴۰۔ اور ۴۱۔ اور ۴۲۔ ان آیات سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ہرگز آسمان پر نہیں گیا بلکہ قبر سے نکل کر جلیل کی طرف گیا اور معمولی جسم اور معمولی کپڑوں میں انسانوں کی طرح تھا اگر

---

[1] متی ۹ : ۲۴ لوقا ۸ : ۵۲ - [2] متی ۱۲ : ۴۰

[3] لوقا ۲۴ : ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳

وہ مرکر زندہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ جلالی جسم میں صلیب کے زخم باقی رہ جاتے اور اس کو روٹی کھانے کی کیا حاجت تھی اور اگر تھی تو پھر اب بھی روٹی کھانے کا محتاج ہوگا۔

ناظرین کو اس دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ یہودیوں کی صلیب اس زمانہ کی پھانسی کی طرح ہوگی جس سے نجات پانا قریباً محال ہے کیونکہ اُس زمانہ کی صلیب میں کوئی رسّا گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا اور نہ تختہ پر سے گرا کر لٹکایا جاتا تھا بلکہ صرف صلیب پر کھینچ کر ہاتھوں اور پیروں میں کیل ٹھونکے جاتے تھے اور یہ بات ممکن ہوتی تھی کہ اگر صلیب پر کھینچنے اور کیل ٹھونکنے کے بعد ایک دو دن تک کسی کی جان بخشی کا ارادہ ہو تو اسی قدر عذاب پر کفایت کر کے ہڈیاں توڑنے سے پہلے اس کو زندہ اتار لیا جائے اور اگر مارنا ہی منظور ہوتا تھا تو کم سے کم تین دن تک صلیب پر کھینچا ہوا رہنے دیتے تھے اور پانی اور روٹی نزدیک نہ آنے دیتے تھے۔ اور اسی طرح دھوپ میں تین دن یا اس سے زیادہ چھوڑ دیتے تھے اور پھر اس کے بعد اس کی ہڈیاں توڑتے تھے اور پھر آخر ان تمام عذابوں کے بعد وہ مر جاتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اس درجہ کے عذاب سے بچا لیا جس سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ انجیلوں کو ذرہ غور کی نظر سے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ تین دن تک صلیب پر رہے اور نہ تین دن کی بھوک اور پیاس اُٹھائی اور نہ ان کی ہڈیاں توڑی گئیں بلکہ قریباً دو گھنٹہ تک صلیب پر رہے اور خدا کے رحم اور فضل نے ان کے لیے یہ تقریب قائم کر دی کہ دن کے اخیر حصے میں صلیب دینے کی تجویز ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور صرف تھوڑا سا دن باقی تھا اور اگلے دن سبت اور یہودیوں کی عید فسح تھی اور یہودیوں کے لیے یہ حرام اور قابل سزا جرم تھا کہ کسی کو سبت یا سبت کی رات میں صلیب پر رہنے دیں اور مسلمانوں کی طرح یہودی بھی قمری حساب رکھتے تھے اور رات دن پر مقدم سمجھی جاتی تھی۔ پس ایک طرف تو یہ تقریب تھی کہ جو زمینی اسباب سے پیدا ہوئی اور دوسری طرف آسمانی اسباب خدا تعالیٰ کی طرف سے جو پیدا ہوئے کہ جب چھٹا گھنٹہ ہوا تو ایک ایسی آندھی آئی کہ جس سے ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور اندھیرا تین گھنٹے برابر رہا۔ دیکھو مرقس باب ۱۵ آیت ۳۳۔ یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا یعنی وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے۔ اب یہودیوں کو اس شدت اندھیرے میں یہ فکر پڑی کہ مبادا سبت کی رات آجائے اور وہ سبت کے مجرم ہو کر تاوان کے لائق ٹھہریں۔ اس لیے انہوں نے جلدی سے مسیح کو اور اس کے ساتھ کے دو چوروں کو بھی صلیب پر سے اتار لیا۔ اور اسکے ساتھ ایک اور آسمانی سبب یہ پیدا ہوا کہ پلاطوس کچہری کی مسند پر بیٹھا تھا اُس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ (یعنی اس کے قتل کرنے کے لیے سعی نہ کر) کیونکہ میں نے آج رات خواب میں اس کے سبب سے بہت تکلیف پائی دیکھو متی باب ۲۷ آیت ۱۹۔ سو یہ فرشتہ جو خواب میں پلاطوس کی جورو کو دکھایا گیا اس سے ہم اور ہر ایک منصف یقینی طور پر یہ سمجھے گا کہ خدا کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ مسیح صلیب پر وفات پاوے۔ جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی آج تک یہ کبھی نہ ہوا کہ جس شخص کے بچانے کے لیے خدائے تعالیٰ رؤیا میں کسی کو ترغیب دے کہ ایسا کرنا چاہیے تو وہ بات خطا ہو جائے۔ مثلاً انجیل متی میں لکھا ہے کہ خداوند کے ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کے کہا "اُٹھ اس لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا اور وہاں جب تک میں تجھے خبر نہ دوں ٹھہارہ کیونکہ ہیرودوس اس لڑکے کو ڈھونڈے گا کہ مار ڈالے" دیکھو انجیل متی باب ۲ آیت ۱۳۔ اب کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کا مصر میں

۲۱

صفحہ ۲۲ پہنچ کر مارا جانا ممکن تھا اسی طرح خدائے تعالےٰ کی طرف سے یہ ایک تدبیر تھی کہ پلاطوس کی جورو کو مسیح کے لیے خواب آئی۔ اور ممکن نہ تھا کہ یہ تدبیر خطا جاتی اور جس طرح مصر کے قصہ میں مسیح کے مارے جانے کا اندیشہ ایک ایسا خیال ہے جو خدائے تعالےٰ کے ایک مقرر شدہ وعدہ کے برخلاف ہے اسی طرح اس جگہ بھی یہ خلاف قیاس بات ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فرشتہ پلاطوس کی جورو کو نظر آوے اور وہ اس ہدایت کی طرف اشارہ کرے کہ اگر مسیح صلیب پر فوت ہوگیا تو یہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا تو پھر اس غرض سے فرشتہ کا ظاہر ہونا بے سود جاوے اور مسیح صلیب پر مارا جائے کیا اس کی دنیا میں کوئی نظیر ہے ؟ ہرگز نہیں۔ ہر ایک نیکدل انسان کا پاک کانشنس جب پلاطوس کی بیوی کے خواب پر اطلاع پائیگا۔ تو بے شک وہ اپنے اندر اس شہادت کو محسوس کرے گا کہ درحقیقت اس خواب کا منشا یہی تھا کہ مسیح کے چھڑانے کی ایک بنیاد ڈالی جائے۔ یوں تو دنیا میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنے عقیدہ کے تعصب سے ایک کھلی کھلی سچائی کو رد کردے اور قبول نہ کرے لیکن انصاف کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ پلاطوس کی بیوی کی خواب مسیح کے صلیب سے بچنے پر ایک بڑے وزن کی شہادت ہے اور سب سے اوّل درجہ کی انجیل یعنی متی نے اس شہادت کو قلمبند کیا ہے اگرچہ ایسی شہادتوں سے جو میں بڑے زور سے اس کتاب میں لکھوں گا مسیح کی خدائی اور مسئلہ کفارہ یکلخت باطل ہوتا ہے لیکن ایمانداری اور حق پسندی کا ہمیشہ یہ تقاضا ہونا چاہیے کہ ہم سچائی کے قبول کرنے میں قوم اور برادری اور عقائد رسمیہ کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ جب سے انسان پیدا ہوا ہے آج تک اس کی کوتہ اندیشیوں نے ہزاروں چیزوں کو خدا بنا ڈالا ہے یہاں تک کہ بلیوں اور سانپوں کو بھی پوجا گیا ہے لیکن پھر بھی عقلمند لوگ خداداد توفیق سے اس قسم کے مشرکانہ عقیدوں سے نجات پاتے آئے ہیں۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمیں مسیح ابن مریم کی صلیبی موت سے محفوظ رہنے پر ملتی ہیں اس کا وہ سفر دور دراز ہے جو قبر سے نکل کر جلیل کی طرف اُس نے کیا۔ صفحہ ۲۳ چنانچہ اتوار کی صبح کو پہلے وہ مریم مگدلینی کو ملا۔ مریم نے فی الفور حواریوں کو خبر کی کہ مسیح تو جیتا ہے لیکن وہ یقین نہ لائے پھر وہ حواریوں میں سے دو کو جبکہ وہ دیہات کی طرف جاتے تھے دکھائی دیا آخر وہ گیارھوں کو جبکہ وہ کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور ان کی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی۔ دیکھو انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۹ سے ۱۴ تک۔ اور جب مسیح کے حواری سفر کرتے ہوئے اس بستی کی طرف جا رہے تھے جس کا نام اماؤس ہے جو یروشلم سے پونے چار کوس کے فاصلے پر ہے تب مسیح اُن کو ملا اور جب وہ اس بستی کے نزدیک پہنچے تو مسیح نے آگے بڑھ کر چاہا کہ ان سے الگ ہو جائے تب اُنہوں نے اس کو جانے سے روک لیا کہ آج رات ہم اکٹھے رہیں گے اور اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی اور وہ سب مع مسیح کے اماؤس نام ایک گاؤں میں رات رہے دیکھو لوقا باب ۲۴۔ آیت ۱۳ سے ۳۱ تک۔ اب ظاہر ہے کہ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیح سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ستر کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے اور باوجود اس کے کہ خیالات کے میلان کی وجہ سے انجیلوں کے ان قصوں میں بہت کچھ تغیر ہوگیا ہے تاہم جس قدر الفاظ پائے جاتے ہیں ان سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا اور پیادہ پا جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کیا اور حواریوں کو اپنے زخم دکھلائے اور رات ان کے پاس روٹی کھائی اور سویا۔ اور آگے چل کر ہم ثابت کریں گے کہ اس نے اپنے

زخموں کا ایک مرہم کے استعمال سے علاج کیا۔

اب یہ مقام ایک سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ایک جلالی اور ابدی جسم پانے کے بعد یعنے اس غیر فانی جسم کے بعد جو اس لائق تھا کہ کھانے پینے سے پاک ہو کر ہمیشہ خدا تعالیٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے اور ہر ایک داغ اور درد اور نقصان سے منزّہ ہو اور ازلی ابدی خدا کے جلال کا اپنے اندر رنگ رکھتا ہو ابھی اس میں یہ نقص باقی رہ گیا کہ اس پر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے صفحہ ۲۴
خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُن کے ساتھ تھی جن کے واسطے ایک مرہم بھی طیار کی گئی تھی۔ اور جلالی اور غیر فانی جسم کے بعد بھی جو ابد تک سلامت اور بے عیب اور کامل اور غیر متغیر چاہیے تھا کئی قسم کے نقصانوں سے بھرا رہا اور خود مسیح نے حواریوں کو اپنا گوشت اور ہڈیاں دکھلائیں اور پھر اسی پر کفایت نہیں بلکہ اس فانی جسم کے لوازم میں سے بھوکھ اور پیاس کی درد بھی موجود تھی ورنہ اس لغو حرکت کی کیا ضرورت تھی کہ مسیح جلیل کے سفر میں کھانا کھاتا اور پانی پیتا اور آرام کرتا اور سوتا۔ اس میں کیا شک ہے کہ اس عالم میں جسم فانی کے لیے بھوکھ اور پیاس بھی ایک درد ہے جس کے حد سے زیادہ ہونے سے انسان مرسکتا ہے پس بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور نہ کوئی نیا جلالی جسم پایا بلکہ ایک غشی کی حالت ہو گئی تھی جو مرنے سے مشابہ تھی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہوا کہ جس قبر میں وہ رکھا گیا۔

وہ اس ملک کی قبروں کی طرح نہ تھی بلکہ ایک ہوادار کوٹھہ تھا جس میں ایک کھڑکی تھی اور اس زمانہ میں یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ قبر کو ایک ہوادار اور کشادہ کوٹھہ کی طرح بناتے تھے اور اس میں ایک کھڑکی رکھتے تھے اور ایسی قبریں پہلے سے موجود رہتی تھیں اور پھر وقت پر میت اس میں رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ گواہی انجیلوں سے صاف طور پر ملتی ہے۔ انجیل لوقا میں یہ عبارت ہے۔ ” اور وے یعنے عورتیں اتوار کے دن بڑے تڑکے یعنی کچھ اندھیرے سے ہی اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکر قبر پر آئیں اور ان کے ساتھ کئی اور بھی عورتیں تھیں۔ اور انہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکا ہوا پایا (اس مقام میں ذرہ غور کرو) اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی“ دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۲ و ۳۔ اب اندر جانے کے لفظ کو ذرہ سوچو۔ ظاہر ہے کہ اسی قبر کے اندر انسان جا سکتا ہے کہ جو ایک کوٹھے کی طرح ہو اور اس میں کھڑکی ہو۔ اور ہم اپنے محل پر اسی کتاب میں بیان کریں گے کہ حال میں جو حضرت عیسے علیہ السلام کی قبر سرینگر کشمیر میں پائی گئی ہے وہ بھی اسی قبر طرح کھڑکی دار ہے۔ اور یہ ایک بڑے راز کی بات ہے جس پر توجہ کرنے سے محققین کے دل ایک عظیم الشان نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ صفحہ ۲۵

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہیں پلاطوس کا وہ قول ہے جو انجیل مرقس میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے ”اور جبکہ شام ہوئی اس لیے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا۔ یوسف ارمتیا جو نامور مشیر اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا آیا اور دلیری سے پلاطس کے پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی اور پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ یعنی مسیح ایسا جلد مرگیا“ دیکھو مرقس باب ۱۵ آیت ۴۲ سے ۴۴ تک۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عین صلیب کی گھڑی میں ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہوا۔ اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جس کو اس بات کا تجربہ تھا کہ اس قدر مدت میں صلیب پر جان نکلتی ہے۔

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہیں انجیل کی وہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں ” پھر یہودیوں نے اس لحاظ

سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہ جائیں کیونکہ وہ دن طیاری کا تھا بلکہ بڑا ہی سبت تھا پلاطوس سے عرض کی کہ ان کی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اُتاری جائیں۔ تب سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں لیکن جب انھوں نے یسوع کی طرف آکے دیکھا کہ وہ مرچکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۱ سے ۳۴ تک۔ ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کسی مصلوب کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے یہ دستور تھا کہ جو صلیب پر کھینچا گیا ہو اُس کو کئی دن صلیب پر رکھتے تھے اور پھر اس کی ہڈیاں توڑتے تھے لیکن مسیح کی ہڈیاں دانستہ نہیں توڑی گئیں اور وہ ضرور صلیب پر سے ان دو چوروں کی طرح زندہ اتارا گیا۔ اسی وجہ سے پسلی چھیدنے سے خون بھی نکلا۔ مُردہ کا خون جم جاتا ہے اور اس جگہ یہ بھی صریح معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر یہ کچھ سازش کی بات تھی۔ پلاطوس ایک خدا ترس اور نیک دل آدمی تھا۔ کھلی کھلی رعایت سے قیصر سے ڈرتا تھا کیونکہ یہودی مسیح کو باغی ٹھہراتے تھے مگر وہ خوش قسمت تھا کہ اس نے مسیح کو دیکھا لیکن قیصر نے اس نعمت کو نہ پایا اس نے نہ صرف دیکھا بلکہ بہت رعایت کی اور اس کا ہرگز منشا نہ تھا کہ مسیح صلیب پاوے۔ چنانچہ انجیلوں کے دیکھنے سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ پلاطوس نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ مسیح کو چھوڑ دے لیکن یہودیوں نے کہا کہ اگر تو اس مرد کو چھوڑ دیتا ہے تو تُو قیصر کا خیر خواہ نہیں اور یہ کہا کہ یہ باغی ہے اور خود بادشاہ بننا چاہتا ہے دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۲ اور پلاطوس کی بیوی کی خواب اور بھی اس بات کی محرک ہوئی تھی کہ کسی طرح مسیح کو مصلوب ہونے سے بچایا جائے ورنہ ان کی اپنی تباہی ہے۔ مگر چونکہ یہودی ایک شریر قوم تھی اور پلاطوس پر قیصر کے حضور میں مخبری کرنے کو بھی طیار تھے اس لیے پلاطوس نے مسیح کو چھڑانے میں حکمت عملی سے کام لیا۔ اول تو مسیح کا مصلوب ہونا ایسے دن پر ڈال دیا کہ وہ جمعہ کا دن تھا اور صرف چند گھنٹے دن سے باقی تھے۔ اور بڑے سبت کی رات قریب تھی اور پلاطوس خوب جانتا تھا کہ یہودی اپنی شریعت کے حکموں کے موافق صرف شام کے وقت تک ہی مسیح کو صلیب پر رکھ سکتے ہیں۔ اور پھر شام ہوتے ہی ان کا سبت ہے جس میں صلیب پر رکھنا روا نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مسیح شام سے پہلے صلیب پر سے اُتارا گیا اور یہ قریب قیاس نہیں کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے مگر مسیح صرف دو گھنٹہ تک مر گیا بلکہ یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ جو مسیح کو ہڈیاں توڑنے سے بچانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ سمجھدار آدمی کے لیے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اتارے گئے اور ہمیشہ معمول تھا کہ صلیب پر سے لوگ زندہ اتارے جاتے تھے اور صرف اس حالت میں مرتے تھے کہ ہڈیاں توڑی جائیں اور یا بھوک اور پیاس کی حالت میں چند روز صلیب پر رہ کر جان نکلتی تھی مگر ان باتوں میں سے کوئی بھی مسیح کو پیش نہ آئی نہ وہ کئی دن صلیب پر بھوکا پیاسا رکھا گیا اور نہ اُس کی ہڈیاں توڑی گئیں اور یہ کہہ کر کہ مسیح مرچکا ہے یہودیوں کو اسکی طرف سے غافل کر دیا گیا مگر چوروں کی ہڈیاں توڑ کر اسی وقت ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بات تو تب تھی کہ ان دونوں چوروں میں سے بھی کسی کی نسبت یہ کہا جاتا کہ یہ مرچکا ہے اس کی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اور یوسف نام پلاطوس کا ایک معزز دوست تھا جو اس نواح کا رئیس تھا۔ اور مسیح کے پوشیدہ شاگردوں میں داخل تھا وہ عین وقت پر پہنچ گیا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

صفحہ ۲۶
صفحہ ۲۷

بھی پلاطوس کے اشارہ سے بلایا گیا تھا مسیح کو ایک لاش قرار دیکر اس کے سپرد کر دیا گیا کیونکہ وہ ایک بڑا آدمی تھا اور یہودی اس کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ پہنچا تو مسیح کو جو غشی میں تھا ایک لاش قرار دیکر اس نے لیا اور اسی جگہ ایک وسیع مکان تھا جو اس زمانہ کی رسم پر قبر کے طور پر بنایا گیا تھا اور اس میں ایک کھڑکی بھی تھی اور ایسے موقع پر تھا جو یہودیوں کے تعلق سے الگ تھا اسی جگہ پلاطوس کے اشارہ سے مسیح کو رکھا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت موسیٰ کی وفات پر چودھویں صدی گذر رہی تھی اور اسرائیلی شریعت کے زندہ کرنے کے لیے مسیح چودھویں صدی کا مجدّد تھا۔ اور اگرچہ یہودیوں کو اس چودھویں صدی میں مسیح موعود کا انتظار بھی تھا اور گذشتہ نبیوں کی پیشگوئیاں بھی اس وقت پر گواہی دیتی تھیں لیکن افسوس کہ یہودیوں کے نالائق مولویوں نے اس وقت اور موسم کو شناخت نہ کیا۔ اور مسیح موعود کو جھوٹا قرار دیدیا نہ صرف یہی بلکہ اس کو کافر قرار دیا اس کا نام ملحد رکھا اور آخر اس کے قتل پر فتویٰ لکھا اور اس کو عدالت میں کھینچا اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ خدا نے چودھویں صدی میں کچھ تاثیر ہی ایسی رکھی ہے جس میں قوم کے دل سخت اور مولوی دُنیا پرست اور اندھے اور حق کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ اگر موسیٰ کی چودھویں صدی اور موسیٰ کے مثیل کی چودھویں صدی کا جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں باہم مقابلہ کیا جائے تو اوّل یہ نظر آئے گا کہ ان دونوں چودھویں صدیوں میں دو ایسے شخص ہیں جنھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ دعویٰ سچا تھا اور خدا کی طرف سے تھا۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگا کہ قوم کے علماء نے ان دونوں کو کافر قرار دیا اور ان دونوں کا نام ملحد اور دجّال رکھا اور ان دونوں کی نسبت قتل کے فتوے لکھے گئے اور دونوں کو عدالتوں کی طرف کھینچا گیا جن میں سے ایک رومی عدالت تھی اور دُوسری انگریزی۔ آخر دونوں بچائے گئے اور دونوں قسم کے مولوی یہودی اور مسلمان ناکام رہے۔ اور خدا نے ارادہ کیا کہ دونوں مسیحوں کو ایک بڑی جماعت بنا دے اور دونوں قسم کے دشمنوں کو نامراد رکھے۔ غرض موسیٰ کی چودھویں صدی اور ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی چودھویں صدی اپنے اپنے مسیحوں کے لیے سخت بھی ہیں اور انجام کار مبارک بھی۔

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے محفوظ رہنے کے بارے میں ہمیں انجیل سے ملتی ہیں وہ شہادت ہے جو انجیل متی باب ۲۶ میں یعنے آیت ۳۶ سے آیت ۴۶ تک مرقوم ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار کیے جانے کا الہام پاکر تمام رات جناب الٰہی میں رو رو کر اور سجدے کرتے ہوئے دُعا کرتے رہے۔ اور ضرور تھا کہ ایسی تضرّع کی دُعا جس کے لیے مسیح کو بہت لمبا وقت دیا گیا تھا قبول کی جاتی کیونکہ مقبول کا سوال جو بے قراری کے وقت کا سوال ہو ہرگز ردّ نہیں ہوتا پھر کیوں مسیح کی ساری رات کی دُعا اور دردمند دل کی دُعا اور مظلومانہ حالت کی دُعا ردّ ہو گئی۔ حالانکہ مسیح دعویٰ کرتا ہے کہ باپ جو آسمان پر ہے میری سنتا ہے پس کیونکر باور کیا جائے کہ خدا اس کی سُنتا تھا جبکہ ایسی بے قراری کی دُعا سُنی نہ گئی اور انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دلی یقین تھا کہ اس کی وہ دُعا ضرور قبول ہو گئی اور اس دعا پر اس کو بہت بھروسہ تھا اسی وجہ سے جب وہ پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا اور ظاہری علامات کو اس نے اپنی امید کے موافق نہ پایا تو بے اختیار اس کے مُنہ سے نکلا کہ "ایلی ایلی لما سبقتانی" اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔ یعنے مجھے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ میرا انجام یہ ہوگا اور مَیں صلیب پر مروں گا۔ اور مَیں یقین رکھتا تھا کہ تُو میری دُعا سُنے گا۔

ص۱۹ پس ان دونوں مقامات انجیل سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کو خود دلی یقین تھا کہ میری دُعا ضرور قبول ہوگی اور میرا تمام رات کا رو رو کر دُعا کرنا ضائع نہیں جائے گا۔ اور خود اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ اگر دعا کرو گے تو قبول کی جائے گی بلکہ ایک مثال کے طور پر ایک قاضی کی؎ کہانی بھی بیان کی تھی کہ جو نہ خلقت سے اور نہ خدا سے ڈرتا تھا اور اس کہانی سے بھی مدعا یہ تھا کہ تا حواریوں کو یقین آجائے کہ بیشک خدائے تعالیٰ دُعا سنتا ہے۔ اور اگرچہ مسیح کو اپنے پر ایک بڑی مصیبت کے آنیکا خدا تعالیٰ کیطرف سے علم تھا مگر مسیح نے عارفوں کیطرح اس بنا پر دُعا کی کہ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور ہر ایک محو و اثبات اسکے قبضہ میں ہے لہٰذا یہ امر کہ نعوذ باللہ مسیح کی خود دُعا قبول نہ ہوئی یہ ایک ایسا امر ہے جو شاگردوں پر نہایت بد اثر پیدا کرنیوالا تھا۔ سو کیونکر ممکن تھا کہ ایسا نمونہ جو ایمان کو ضائع کرنیوالا تھا حواریوں کو دیا جاتا جبکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ مسیح جیسے بزرگ نبی کی تمام رات کی پُرسوز دُعا قبول نہ ہو سکی تو اس بدنمونہ سے ان کا ایمان ایک سخت امتحان میں پڑتا تھا۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس دُعا کو قبول کرتا یقیناً سمجھو کہ وہ دُعا گتسمنی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور قبول ہو گئی تھی۔

ایک اور بات اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسا کہ مسیح کے قتل کے لیے مشورہ ہوا تھا اور اس غرض کے لیے قوم کے بزرگ اور معزز مولوی قیافا نامی سردار کاہن کے گھر میں اکٹھے ہوئے تھے کہ کسی طرح مسیح کو قتل کر دیں۔ یہی مشورہ حضرت موسیٰ کے قتل کرنے کے لیے ہوا تھا اور یہی مشورہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیے مکہ میں دار الندوہ کے مقام میں ہوا تھا مگر قادر خدا نے ان دونوں بزرگ نبیوں کو اس مشورہ کے بد اثر سے بچا لیا۔ اور مسیح کے لیے جو مشورہ ہوا ان دونوں مشوروں کے درمیان میں ہے۔ ص۲۰ پھر کیا وجہ کہ وہ بچایا نہ گیا۔ حالانکہ اس نے ان دونوں بزرگ نبیوں سے بہت زیادہ دعا کی۔ اور پھر جبکہ خدا اپنے پیارے بندوں کی ضرور سنتا ہے اور شریروں کے مشورہ کو باطل کر کے دکھاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ مسیح کی دُعا نہیں سُنی گئی۔ ہر ایک صادق کا تجربہ ہے کہ بیقراری اور مظلومانہ حالت کی دُعا قبول ہوتی ہے بلکہ صادق کے لیے مصیبت کا وقت نشان ظاہر کرنے کا وقت ہوتا ہے چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے یاد ہے کہ دو برس کا عرصہ ہوا ہے کہ مجھ پر ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا ایک صاحب ڈاکٹر مارٹن کلارک عیسائی مقیم امرتسر پنجاب نے عدالت ضلع گورداسپور میں دائر کیا اور یہ استغاثہ پیش کیا کہ گویا مَیں نے ایک شخص عبد الحمید نامی کو بھیج کر ڈاکٹر مذکور کو قتل کرنا چاہا تھا اور ایسا اتفاق ہوا کہ اس مقدمہ میں تینوں قوم کے چند منصوبہ باز آدمی یعنی عیسائی اور ہندو اور مسلمان میرے مخالف متفق ہو گئے اور جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا یہ کوشش کی کہ مجھ پر اقدام قتل کا الزام ثابت ہو جائے۔ عیسائی پادری مجھ سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ مَیں اس کوشش میں تھا اور اب بھی ہوں کہ مسیح کی نسبت جو ان کا غلط خیال ہے اس سے خدا کے بندوں کو نجات دوں اور یہ اوّل نمونہ تھا جو مَیں نے ان لوگوں کا دیکھا اور ہندو مجھ سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ مَیں نے لیکھرام نامی ان کے ایک پنڈت کی نسبت اس کی رضامندی سے اس کے مرنے کی نسبت خدا کا الہام پا کر پیشگوئی کی تھی اور وہ پیشگوئی

؎ لوقا ۱۸ : ۲

اپنی میعاد میں اپنے وقت پر پوری ہوگئی اور وہ خدا کا ایک ہیبت ناک نشان تھا اور ایسا ہی مُسلمان مولوی بھی ناراض تھے کیونکہ میں ان کے خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے سے اور نیز ان کے جہاد کے مسئلہ کا مخالف تھا لہٰذا ان تین قوموں کے بعض برآوردہ لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ کسی طرح قتل کا جرم میرے پر لگ جائے اور میں مارا جاؤں یا قید کیا جاؤں اور ان خیالات میں وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں ظالم تھے۔ اور خدا نے مجھے اس گھڑی سے پہلے کہ ایسے منصوبے مخفی طور پر کیے جائیں اطلاع دیدی۔ اور پھر انجام کار ص۳۱ بَری کرنے کی مجھے خوشخبری سنائی اور یہ خدا کے پاک الہام صدہا لوگوں میں قبل از وقت مشہور کیئے گئے اور جبکہ میں نے الہام کی خبر پا کر دعا کی کہ اے میرے مولا اس بلا کو مجھ سے رَدّ کر۔ تب مجھے الہام ہوا کہ میں رَدّ کروں گا اور تجھے اس مقدمہ سے بَری کر دوں گا اور الہام بہتوں کو سُنایا گیا جو تین سو سے بھی زیادہ تھے جو اب تک زندہ موجود ہیں اور ایسا ہوا کہ میرے دشمنوں نے جھُوٹے گواہ بنا کر اور عدالت میں گذران کر اس مقدمہ کو ثبوت تک پہنچا دیا اور تین قوموں کے لوگوں نے جن کا ذکر ہو چکا ہے میرے مخالف گواہی دی۔ تب ایسا ہوا کہ جس حاکم کے پاس وہ مقدمہ تھا جس کا نام کپتان ڈبلیو ڈگلس تھا جو ضلع گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر تھا خدا نے طرح طرح کے اسباب سے تمام حقیقت اس مقدمہ کی اس پر کھول دی اور اس پر کُھل گیا کہ وہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ تب اس کی انصاف پسندی اور عدل پروری نے یہ تقاضا کیا کہ اس ڈاکٹر کا جو پادری کا بھی کام کرتا تھا کچھ بھی لحاظ نہ کر کے اس مقدمہ کو خارج کیا اور جیسا کہ میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر موجودہ خوفناک صورتوں کے برخلاف عام جلسوں میں اور صدہا لوگوں میں اپنا انجام بَری ہونا بتلایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا اور بہت سے لوگوں کی قوت ایمان کا باعث ہوا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی اس قسم کی کئی تہمتیں اور مجرمانہ صورت کے الزام میرے پر مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے لگائے گئے اور عدالت تک مقدمے پہنچائے گئے مگر خدا نے مجھے قبل اس کے جو میں عدالت میں بلایا جاتا اپنے الہام سے اول اور آخر کی خبر دیدی۔ اور ہر ایک خوفناک مقدمہ میں مجھے بَری ہونے کی بشارت دی۔

اس تقریر سے مدّعا یہ ہے کہ بلاشبہ خدائے تعالیٰ دعاؤں کو سُنتا ہے بالخصوص جبکہ اس پر بھروسہ کرنے والے مظلوم ہونیکی حالت میں اس کے آستانہ پر گرتے ہیں تو وہ ان کی فریاد کو پہنچتا ہے اور ایک عجیب طور پر ان کی مدد کرتا ہے اور ہم اس بات کے گواہ ہیں تو پھر کیا باعث اور کیا سبب کہ مسیح کی ایسی بے قراری کی دُعا منظور نہ ہوئی؟ نہیں بلکہ منظور ہوئی اور خدا نے اس کو بچا لیا۔ خدا نے اس کے بچانے کے لیے زمین سے بھی اسباب پیدا کئے اور آسمان سے بھی۔ یوحنا یعنے یحیٰی نبی کو خدا نے ص۳۲ دُعا کرنیکے لیے مہلت نہ دی کیونکہ اسکا وقت آچکا تھا مگر مسیح کو دُعا کرنے کیلئے تمام رات مہلت دی گئی اور وہ ساری رات سجدہ میں اور قیام میں خدا کے آگے کھڑا رہا کیونکہ خدا نے چاہا کہ وہ بیقراری ظاہر کرے اور خدا سے جسکے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں اپنی مخلصی چاہے سو خدا نے اپنی قدیم سنّت کے موافق اس کی دعا کو سُنا۔ یہودی اس بات میں جھوٹے تھے جنھوں نے صلیب دے کر یہ طعنہ مارا کہ اس نے خدا پر توکل کیا تھا۔ کیوں خدا نے اس کو نہ چھڑایا کیونکہ خدا نے یہودیوں کے تمام منصوبے باطل کیے اور اپنے پیارے مسیح کو صلیب اور اس کی لعنت سے بچا لیا اور یہودی نامراد رہے۔

اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے جو ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ آیت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں۔ ”ہابل راستباز کے خون سے

برخیاہ کے بیٹے ذکریا کے خون تک جسے تم نے ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آوے گا۔" دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۳۵ و ۳۶۔ اب ان آیات پر اگر نظر غور کرو تو واضح ہوگا کہ ان میں حضرت مسیح علیہ السلام نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ یہودیوں نے جس قدر نبیوں کے خون کیے ان کا سلسلہ ذکریا نبی تک ختم ہوگیا۔ اور بعد اس کے یہودی لوگ کسی نبی کے قتل کرنے کے لیے قدرت نہیں پائیں گے۔ یہ ایک بڑی پیشگوئی ہے اور اس سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے ذریعہ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے بچ کر نکل گئے اور آخر طبعی موت سے فوت ہوئے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی ذکریا کی طرح یہودیوں کے ہاتھ سے قتل ہونے والے تھے تو ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام ضرور اپنے قتل کیے جانے کی طرف بھی اشارہ کرتے اور اگر یہ کہو کہ گو حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن ان کا مارا جانا یہودیوں کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں تھی کیونکہ وہ بطور ۳۳ کفارہ کے مارے گئے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۱ میں مسیح نے صاف طور کہدیا ہے کہ یہودی مسیح کے قتل کرنے کے ارادہ سے سخت گنہ گار ہیں۔ اور ایسا ہی اور کئی مقامات میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور صاف لکھا ہے کہ اس جرم کے عوض میں جو مسیح کی نسبت ان سے ظہور میں آیا خدا تعالےٰ کے نزدیک قابل سزا ٹھہر گئے تھے۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۲۴۔

اور منجملہ اُن انجیلی شہادتوں کے جو ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے:" میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔" دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۸۔ ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہے۔ یسوع نے اسے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ جب تک میں آؤں وہ (یعنی یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم میں۔ دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲۔ یعنی اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جب تک میں دوبارہ آؤں۔ ان آیات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اس وقت تک زندہ رہینگے جب تک کہ وہ پھر واپس ہو اور ان زندہ رہنے والوں میں سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا۔ سو ضرور تھا کہ یہ وعدہ پورا ہوتا۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی اس بات کو مان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ میں جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کے موافق پیشگوئی ظہور میں آوے۔ اسی بنا پر پادری صاحبوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کے موافق یروشلم کی بربادی کے وقت آ گیا تھا اور یوحنا نے اس کو دیکھا کیونکہ وہ اس وقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہیں مانتے کہ مسیح اس وقت حقیقی طور پر اپنے قرار دادہ نشانوں کے موافق آسمان سے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک کشفی رنگ میں یوحنا کو نظر آ گیا تا اپنی اُس پیشگوئی کو پورا کرے ۳۴ جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے آنے سے پیشگوئی پوری نہیں ہو سکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے گویا نکتہ چینیوں سے نہایت تکلف کے ساتھ پیچھا چھڑانا ہے۔ اور یہ معنے اس قدر غلط اور بدیہی البطلان ہیں کہ اس کے رد کرنے کی بھی حاجت نہیں کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا تھا تو پھر ایسی

پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے۔* اس طرح تو ایک مدت سے پہلے حضرت مسیح پولوس پر بھی ظاہر ہو چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اس نے پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کے موافق کوئی معقول معنے اس کے نہیں کر سکے۔ کیونکہ یہ کہنا ان کے لئے مشکل تھا کہ مسیح یروشلم کی بربادی کے وقت اپنے جلال کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا تھا اور جس طرح آسمان پر ہر ایک طرف چمکنے والی بجلی سب کو نظر آجاتی ہے سب نے اس کو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا اُن کے لئے آسان نہ تھا کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔ لہٰذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ میں مانا گیا۔ مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہیں اور کشفی طور میں خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری میں ہی نظر آجاتے ہیں چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ میں نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے اور بعض نبیوں سے بھی میں نے عین بیداری میں ملاقات کی ہے۔ اور میں نے سیّد و مولیٰ اپنے امام نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی ص۳۵
دفعہ عین بیداری میں دیکھا ہے اور باتیں کی ہیں اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جس کے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور میں نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُن کی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری میں گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روزمرّہ کی بیداری میں لوازم حواس میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم میں ہیں اور یہی کان ہیں اور یہی آنکھیں ہیں اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے۔ دُنیا اس قسم کی بیداری کو نہیں جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے۔ یہ ان کو دی جاتی ہے جن کو نئے حواس ملتے ہیں۔ یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات حقّہ میں سے ہے۔ پس اگر مسیح اسی طرح پر یروشلم کی بربادی کے وقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری میں نظر آیا ...... اور گو اس سے باتیں بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ وہ امور ہیں جو ہمیشہ دنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اب بھی اگر ہم توجہ کریں تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری میں دیکھ سکتے ہیں لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہو سکتی۔

سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں صلیب سے بچ کر دوسرے ملک میں چلا جاؤں گا اور خدا نہ مجھے ہلاک

---

* میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیوں سے بھی زیادہ متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کے پرتکلف معنے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنے کے لیے یہ شرط لگا دی تھی کہ بعض شخص اس زمانہ کے ابھی زندہ ہوں گے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئیگا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ حواری اب تک زندہ ہو کیونکہ مسیح اب تک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حواری کسی پہاڑ میں پوشیدہ طور پر مسیح کے انتظار میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ منہ

کرے گا اور دُنیا سے اُٹھائیگا جب تک کہ مَیں یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور جب تک کہ وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لیے آسمان میں مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھلا دے مَیں ہرگز وفات نہیں پاؤں گا اس لیے مسیح نے
صـ۳۷ یہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھو گے کہ جنھوں نے مجھ پر تلوار اٹھائی وہ میری زندگی اور میرے مشاہدہ میں تلواروں سے ہی قتل کیے جائیں گے۔ سو اگر ثبوت کچھ چیز ہے تو اس سے بڑھ کر عیسائیوں کے لیے اور کوئی ثبوت نہیں کہ مسیح اپنے مُنہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم میں سے بعض زندہ ہوں گے کہ مَیں پھر آؤں گا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہیں جو حضرت مسیح کے آنے کے متعلق ہیں (۱) ایک وہ جو آخری زمانہ میں آنے کا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیسا کہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ میں ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہو کر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل میں خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لیے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے اور ٹھوکر نہ کھاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق انجیلوں میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لیے بیان کی گئی ہیں جو صلیب کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچا لیا جیسا کہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات ان کو پیش آتے ہیں۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لیے یہ آیتؔ جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔

اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے جو ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی مندرجہ ذیل آیت ہے: "اور اس وقت انسان کے بیٹے کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا۔ اور اس وقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اور انسان کے بیٹے کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گے۔" دیکھو متی باب ۲۴۔ آیت ۳۰۔ اس آیت کا اصل مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے
صـ۳۸ ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ جبکہ آسمان سے یعنی محض خدا کی قدرت سے ایسے علوم اور دلائل اور شہادتیں پیدا ہو جائیں گی کہ جو آپکی الوہیت یا صلیب پر فوت ہونے اور آسمان پر جانے اور دوبارہ آنے کے عقیدہ کو باطل ہونا ثابت کر دیں گی۔ اور جو قومیں آپ کے نبی صادق ہونے کی مُنکر تھیں بلکہ صلیب دیے جانے کی وجہ سے ان کو لعنتی سمجھتی تھیں جیسا کہ یہود انکے جھُوٹ پر بھی آسمان گواہی دیگا کیونکہ یہ حقیقت بخوبی کھل جائے گی کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے اس لیے لعنتی بھی نہیں ہوئے تب زمین کی تمام قومیں جنھوں نے ان کے حق میں افراط یا تفریط کی تھی ماتم کریں گی اور اپنی غلطی کی وجہ سے سخت ندامت اور خجالت ان کے شامل حال ہوگی۔ اور اسی زمانہ میں جبکہ یہ کھُل جائے گی لوگ روحانی طور پر مسیح کو زمین پر نازل ہوتے دیکھیں گے یعنی ان ہی دنوں میں مسیح موعود جو اُن کی قوت اور طبیعت میں ہو کر آئے گا آسمانی تائید سے اور اس قدرت اور جلال سے

---

ؔ متی باب ۱۶۔ آیت ۲۸

جو خدائے تعالےٰ کی طرف سے اس کے شامل ہوگی اپنے چمکتے ہوئے ثبوت کے ساتھ ظاہر ہوگا اور پہچانا جائے گا۔ اس آیت
کی تشریح یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی قضا و قدر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسا وجود ہے اور ایسے واقعات ہیں جو بعض قوموں
نے ان کی نسبت افراط کیا ہے اور بعض نے تفریط کی راہ لی ہے۔ یعنے ایک وہ قوم ہے کہ جو انسانی لوازم سے ان کو دُور تر لے گئی ہے
یہانتک کہ وہ کہتے ہیں کہ اب تک وہ فوت نہیں ہوئے اور آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر وہ قوم ہے جو کہتے ہیں
کہ صلیب پر فوت ہو کر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے ہیں اور خدائی کے تمام اختیار ان کو مل گئے ہیں بلکہ وہ خود
خدا ہیں۔ اور دُوسری قوم یہودی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لیے نعوذ باللہ وہ ہمیشہ کے لیے لعنتی ہوئے
اور ہمیشہ کے لیے موردِ غضب۔ اور خدا اُن سے بیزار ہے اور بیزاری اور دشمنی کی نظر سے اُن کو دیکھتا ہے اور وہ کاذب اور مفتری
اور نعوذ باللہ کافر اور ملحد ہیں اور خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ سو یہ افراط اور تفریط ایسا ظلم سے بھرا ہوا طریق تھا کہ ضرور تھا کہ
ص۳۸ خدائے تعالےٰ اپنے سچے نبی کو ان الزاموں سے بری کرتا۔ سو انجیل کی آیت مذکورہ بالا کا اسی بات کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو کہا
کہ زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی (یہ اس بات کیطرف ایما کی گئی ہے کہ وہ تمام فرقے جن پر قوم کا لفظ اطلاق پا سکتا ہے اس روز چھاتی پیٹیں گی) اور جزع
فزع کرینگی اور انکا ماتم سخت ہوگا۔ اسجگہ عیسائیوں کو ذرہ توجہ سے اس آیت کو پڑھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ جبکہ اس آیت میں کل قوموں کے چھاتی پیٹنے
کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے تو اس صورت میں عیسائی اس ماتم سے کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔ کیا وہ قوم نہیں ہیں اور جبکہ وہ بھی اس آیت کی رُو سے چھاتی پیٹنے والوں میں
داخل ہیں تو پھر وہ کیوں اپنی نجات کا فکر نہیں کرتے۔ اس آیت میں صاف طور پر بتلایا گیا ہے کہ جب مسیح کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا تو
زمین پر جتنی قومیں ہیں چھاتی پیٹیں گی سوا ایسا شخص مسیح کو جھٹلاتا ہے جو کہتا ہے کہ ہماری قوم چھاتی نہیں پیٹے گی۔ ہاں وہ لوگ چھاتی
پیٹنے کی پیشگوئی کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے جن کی جماعت ابھی تھوڑی ہے اور اس لائق نہیں ہے جو اس کو قوم کہا جائے۔ اور وہ
ہمارا فرقہ ہے بلکہ یہی ایک فرقہ ہے جو پیشگوئی کے اثر اور دلالت سے باہر ہے کیونکہ اس فرقہ کے ابھی چند آدمی ہیں جو کسی طرح قوم کا لفظ
ان پر صادق نہیں آسکتا۔ مسیح نے خدا سے الہام پا کر بتلایا کہ جب آسمان پر ایک نشان ظاہر ہوگا تو زمین کے کُل وہ گروہ جو بباعث
اپنی کثرت کے قوم کہلانے کے مستحق ہیں چھاتی پیٹیں گے اور کوئی ان میں سے باقی نہیں رہے گا مگر وہی کم تعداد لوگ جن پر قوم
کا لفظ صادق نہیں آسکتا اس پیشگوئی کے مصداق سے نہ عیسائی باہر رہ سکتے ہیں اور نہ اس زمانہ کے مسلمان اور نہ یہودی اور نہ
کوئی اور مکذب صرف ہماری یہ جماعت باہر ہے کیونکہ ابھی خدا نے ان کو تخم کی طرح بویا ہے۔ نبی کا کلام کسی طور سے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔
جبکہ کلام میں صاف یہ اشارہ ہے کہ ہر ایک قوم جو زمین پر ہے چھاتی پیٹے گی تو ان قوموں میں سے کونسی قوم باہر رہ سکتی ہے۔ مسیح
ص۳۹ نے تو اس آیت میں کسی قوم کا استثنا نہیں کیا۔ ہاں وہ جماعت بہرصورت مستثنیٰ ہے جو ابھی قوم کے اندازہ تک نہیں پہنچی
یعنی ہماری جماعت۔ اور یہ پیشگوئی اس زمانہ میں نہایت صفائی سے پوری ہوئی کیونکہ وہ سچائی جو حضرت مسیح کی نسبت اب پوری
ہوئی ہے وہ بلاشبہ ان تمام قوموں کے ماتم کا موجب ہے کیونکہ اس سے سب کی غلطی ظاہر ہوتی ہے اور سب کی پردہ دری
ظہور میں آتی ہے عیسائیوں کے خدا بنانے کا شور غوغا حسرت کی آہوں سے بدل جاتا ہے۔ مسلمانوں کا دن رات کا ضد کرنا کہ
مسیح آسمان پر زندہ گیا آسمان پر زندہ گیا رونے اور ماتم کے رنگ میں آجاتا ہے اور یہودیوں کا تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

اور اس جگہ یہ بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جو لکھا ہے کہ اس وقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اس جگہ زمین سے مراد بلادِ شام کی زمین ہے جس سے یہ تینوں قومیں تعلق رکھتی ہیں۔ یہودی اس لیے کہ وہی ان کا مبدا اور منبع ہے اور اسی جگہ ان کا معبد ہے۔ عیسائی اس لیے کہ حضرت مسیح اسی جگہ ہوئے ہیں اور عیسائی مذہب کی پہلی قوم اسی ملک میں پیدا ہوئی ہے۔ مسلمان اس لیے کہ وہ اس زمین کے قیامت تک وارث ہیں اور اگر زمین کے لفظ کے معنے ہر یک زمین لی جائے تب بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ حقیقت کھلنے پر ہر یک مکذّب نادم ہوگا۔

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ ”اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی جو آرام میں تھیں اُٹھیں اور اس کے اُٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اُٹھنے کے بعد) قبروں میں سے نکل کر اور مقدس شہر میں جا کر بہتوں کو نظر آئیں“ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قصہ جو انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیح کے اُٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں میں سے باہر نکل آئے اور زندہ ہو کر بہتوں کو نظر آئے یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دُنیا میں قیامت نمودار ہو جاتی اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لیے دُنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان ایمان نہ رہتا اور ہر یک مومن اور کافر کی نظر میں آنیوالے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز ہو جاتی جیسا کہ چاند اور سورج اور دن اور رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر چیز نہ ہوتی جس پر اجر پانے کی کچھ امید ہو سکتی اگر لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے اور حقیقت میں مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لیے یہ معجزہ دکھلایا گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایک دم میں زندہ کر دیا گیا تو اس صورت میں یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسرے راستبازوں اور اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت خدا ہے یا کہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہے کہ اس موقعہ کو انہوں نے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتوں کے بہت حریص تھے کہ اگر مُردے دُنیا میں دوبارہ آجائیں تو ان سے دریافت کریں تو پھر جس حالت میں لاکھوں مُردے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے اور ہر ایک محلہ میں ہزاروں مُردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انہوں نے نہ ایک نہ دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مُردے اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہوں گے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا میں دوبارہ آنے سے گھر گھر میں شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر میں یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہو گیا ہوگا کہ مُردوں سے پوچھتے ہوں گے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت میں خدا جانتے ہیں۔ مگر چونکہ مُردوں کی اس گواہی کے بعد جیسا کہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے اور نہ کچھ نرم دل ہوئے بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں نے کوئی اچھی گواہی نہیں دی بلکہ بلاتوقف یہ جواب دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعویٰ خدائی میں بالکل جھوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ تبھی تو لاکھوں انسان بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کی طرف

متوجہ ہوتے۔ بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لے کر حضرت یحییٰ تک اس زمین پاک کی قبروں
ص۲۱ میں سوتے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہوجائیں اور پھر وعظ کرنے کے لیے شہر میں آئیں اور ہر ایک کھڑا ہوکر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑو ورنہ تمہارے لیے جہنم ہے جس کو خود ہم دیکھ کر آئے ہیں۔ اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے مُنہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئیں۔ ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہیں مانتا۔ پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہوکر گواہی کے لیے شہر میں آتے تھے تو کچھ شک نہیں کہ انہوں نے کچھ اُلٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کو تصدیق نہیں کیا ہوگا تبھی تو یہودی لوگ مردوں کی گواہیوں کو سُن کر اپنے کفر پر پکّے ہوگئے اور حضرت مسیح تو ان سے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی مُنکر ہو بیٹھے۔

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بد اثر ڈالنے والے ہیں کہ ایسا یقین کیا جائے کہ یہ لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ ان مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک میں جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر میں واپس آتا ہے تو طبعاً اس کے دل میں یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ولایت کے عجیب در عجیب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے۔ نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند رکھے اور گونگوں کی طرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ میں دوسرے لوگوں میں بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہیں اور اس ملک کے حالات اس سے پوچھتے ہیں اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگوں کے ملک میں کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جس کی ظاہری حیثیت غریبانہ
ص۲۲ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں جس کے پایہ تخت کا سیر کرکے یہ لوگ آتے ہیں۔ اور میں فلاں فلاں بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ میں اوّل درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیّاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائیے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اس ملک سے آیا ہوا ہے کیا سچ مچ یہ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو ان سے پوچھی گئی ہوگی جس کا پوچھا جانا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اس جگہ ایسا نہیں ہے۔ پس ناچار اس بات کے فرض کرنے سے کہ مُردے زندہ ہوتے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہوگی جس سے ان کی سچائی تسلیم کی جاتی بلکہ ایسی گواہی دی ہوگی جس سے اور بھی فتنہ بڑھ گیا ہو۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپایوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی۔ مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کیے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کے وقت جبکہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنے یہ کہا جاتا کہ ان مردوں کی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے کہ وہ تو بیل تھے اُن کی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بُری گواہی دیتے۔ بھلا وہ تو لاکھوں مُردے تھے جو حضرت مسیح نے

زندہ کیے آج مثلاً چند ہندوؤں کو اگر بلا کر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہو کر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اُس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائے گا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دینگے پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اس قدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں ص۴۲ خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے گرو باوا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مُردہ زندہ کیا تھا۔ اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ نتائج مذکورہ کا اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ سکھ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا باوا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا۔ غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کی وجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بن کر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ ہوتے ہیں۔ اب چونکہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیسا کہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھ کر تعلق ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کس کی تعریف کرتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے ان کو دیکھا ہے۔ لہٰذا اب ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہیں کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے وقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہو کر شہر میں آگئے تھے۔

پس واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کی طرح دیکھا تھا کہ گویا مقدس مُردے زندہ ہو کر شہر میں آگئے ہیں اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور جیسا کہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں میں کی گئی ہے مثلاً جیسا کہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور خدا نے اس کو صلیب کی موت سے نجات دیدی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر تمہیں کہاں سے معلوم ہوئی تو اس کا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبّرین نے اپنے تجربہ سے اس پر گواہی دی ہے۔ چنانچہ ہم قدیم زمانہ کی ایک امام فن تعبیر یعنے صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اس کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

من رئی انّ الموتٰی وثبوا من قبورھم ورجعوا الٰی دورھم فانہ یطلق من فی السجن۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ قطب الزمان شیخ عبد الغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ ص۴۳ مُردے قبروں میں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کی طرف رجوع کیا تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائیگا اور ظالموں کے ہاتھ سے اس کو مخلصی حاصل ہوگی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہوگا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہوگا اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقول طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے۔ اور فی الفور سمجھ آجاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لیے فوت شدہ راستباز زندہ ہو کر شہر میں داخل ہوتے نظر آئے کہ تا اہل فراست معلوم کریں کہ حضرت عیسیٰ صلیبی موت سے بچائے گئے۔

ایسا ہی اور بہت سے مقامات انجیلوں میں پائے جاتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے

ذریعہ سے نہیں مرے بلکہ مخلصی پاکر کسی دُوسرے ملک میں چلے گئے لیکن مَیں خیال کرتا ہوں کہ جس قدر مَیں نے بیان کیا ہے وہ منصفوں کے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

ممکن ہے کہ بعض دلوں میں یہ اعتراض پیدا ہو کہ انجیلوں میں یہ بھی تو بار بار ذکر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے ایسے اعتراضات کا جواب میں پہلے بطور اختصار دے چکا ہوں۔ اور اب بھی اس قدر بیان کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ جبکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیبی واقعہ کے بعد حواریوں کو ملے اور گلیل تک سفر کیا اور روٹی کھائی اور کباب کھائے اور اپنے زخم دکھلائے اور ایک رات بمقام اماؤس حواریوں کے ساتھ رہے اور خفیہ طور پر پلاطوس کے علاقہ سے بھاگے اور نبیوں کی سُنت کے موافق اس ملک سے ہجرت کی اور ڈرتے ہوئے سفر کیا تو یہ تمام واقعات اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے اور فانی جسم کے تمام لوازم ان کے ساتھ تھے اور کوئی نئی تبدیلی ان میں پیدا نہیں ہوئی تھی اور آسمان پر چڑھنے کی کوئی عینی شہادت انجیل سے نہیں ملتی[1]۔ اور اگر ایسی شہادت ہوتی بھی تب بھی لائق اعتبار نہ تھی۔ کیونکہ انجیل نویسوں کی یہ عادت معلوم ہوتی ہے کہ وہ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں اور ایک ذرہ سی بات پر حاشیے چڑھاتے چڑھاتے ایک پہاڑ اس کو کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی انجیل نویس کے مُنہ سے نکل گیا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اب دوسرا انجیل نویس اس فکر میں پڑتا ہے کہ اس کو پورا خدا بنا دے اور تیسرا تمام زمین آسمان کے اختیار اس کو دیتا ہے اور چوتھا واشگاف کہہ دیتا ہے کہ وہی ہے جو کچھ ہے اور کوئی دوسرا خدا نہیں۔ غرض اس طرح پر کھینچتے کھینچتے کہیں کا کہیں لے جاتے ہیں۔ دیکھو وہ رؤیا جس میں نظر آیا تھا کہ گویا مردے قبروں میں سے اُٹھ کر شہر میں چلے گئے اب ظاہری معنوں پر زور دیکر یہ جتلایا گیا کہ حقیقت میں مُردے قبروں میں سے باہر نکل آئے تھے اور یروشلم شہر میں آکر اور لوگوں سے ملاقاتیں کی تھیں۔ اس جگہ غور کرو کہ کیسے ایک پر کا کوا بنایا گیا۔ پھر وہ ایک کوا نہ رہا بلکہ لاکھوں کوّے اُڑائے گئے۔ جس جگہ مبالغہ کا یہ حال ہو اس جگہ حقیقتوں کا کیونکر پتہ لگے۔ غور کے لائق ہے کہ ان انجیلوں میں جو خدا کی کتابیں کہلاتی ہیں ایسے ایسے مبالغات بھی لکھے گئے کہ مسیح نے وہ کام کئے کہ اگر وہ سب کے سب لکھے جاتے تو وہ کتابیں جن میں وہ لکھے جاتے دنیا میں سما نہ سکتیں[2]۔ کیا اتنا مبالغہ طریق دیانت و امانت ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر مسیح کے کام ایسے ہی غیر محدود اور حد بندی سے باہر تھے تو تین برس کی حد میں کیونکر آ گئے ان انجیلوں میں یہ بھی خرابی ہے کہ بعض پہلی کتابوں کے حوالے غلط بھی دیئے ہیں شجرہ نسب مسیح کو بھی صحیح طور پر لکھ نہ سکے۔ انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی عقل کچھ موٹی تھی یہاں تک کہ بعض حضرت مسیح کو بھوت سمجھ بیٹھے اور ان انجیلوں پر قدیم سے یہ بھی الزام چلا آتا ہے کہ وہ اپنی صحت پر باقی نہیں رہیں۔ اور خود جس حالت میں بہت سی اور بھی کتابیں انجیل کے نام سے تالیف کی گئیں۔ تو ہمارے پاس کوئی پختہ دلیل اس بات پر نہیں کہ کیوں ان دُوسری کتابوں کے سب کے سب مضمون ردّ کئے جائیں اور کیوں ان انجیلوں کا کل لکھا ہوا

---

[1] کوئی بیان نہیں کرتا کہ مَیں اس بات کا گواہ ہوں اور میری آنکھوں نے دیکھا ہے کہ وہ آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ منہ

[2] یوحنا باب ۲۱۔ آیت ۲۵

مان لیا جائے ہم خیال نہیں کر سکتے کہ کبھی دوسری انجیلوں میں اس قدر بے اصل مبالغات لکھے گئے ہیں جیسا کہ ان چار انجیلوں میں۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو ان کتابوں میں مسیح کا پاک اور بے داغ چال چلن مانا جاتا ہے اور دوسری طرف اس پر ایسے الزام لگائے جاتے ہیں جو کسی راستباز کی شان کے ہرگز مناسب نہیں ہیں مثلاً اسرائیلی نبیوں نے یوں تو توریت کے منشاء کے موافق ایک ہی وقت میں صدہا بیویوں کو رکھا تا پاکوں کی نسل کثرت سے پیدا ہو۔ مگر آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کسی نبی نے اپنی بے قیدی کا یہ نمونہ دکھلایا کہ ایک ناپاک بدکار عورت اور شہر کی مشہور فاسقہ اس کے بدن سے اپنے ہاتھ لگاوے اور اس کے سر پر حرام کی کمائی کا تیل ملے اور اپنے بال اس کے پاؤں پر ملے اور وہ یہ سب کچھ ایک جوان ناپاک خیال عورت سے ہونے دے اور منع نہ کرے اگرچہ صرف نیک ظنی کی برکت سے انسان ان اوہام سے بچ سکتا ہے جو طبعاً ایسے نظارہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں لیکن بہرحال یہ نمونہ دوسروں کے لیے اچھا نہیں۔ غرض ان انجیلوں میں بہت سی باتیں ایسی بھری پڑی ہیں کہ وہ تبلا رہی ہیں کہ یہ انجیلیں اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں ہیں یا ان کے بنانیوالے کوئی اور ہیں حواری اور ان کے شاگرد نہیں ہیں۔ مثلاً انجیل متی کا یہ قول ”یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نام ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا“[1] کیا اس کا لکھنے والا متی کو قرار دینا صحیح اور مناسب ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس انجیل متی کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے جو متی کی وفات کے بعد گذرا ہے۔ پھر اسی انجیل متی باب ۲۸۔ آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے ”تب انہوں نے یعنے یہودیوں نے بزرگوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر صلاح کی اور ان پہرہ والوں کو بہت روپیہ دیئے اور کہا تم کہو کہ رات کو جب ہم سوتے تھے اس کے شاگرد یعنی مسیح کے شاگرد آکر اُسے چُرا کر لے گئے۔“ دیکھو یہ کیسی کچی اور نامعقول باتیں ہیں۔ اگر اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ یہودی اس بات کو پوشیدہ کرنا چاہتے تھے کہ یسوع مُردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ اس لیے انہوں نے پہرہ والوں کو رشوت دی تھی کہ تا یہ عظیم الشان معجزہ ان کی قوم میں مشہور نہ ہو تو کیوں یسوع نے جس کا یہ فرض تھا کہ اپنے اس معجزہ کی یہودیوں میں اشاعت کرتا اس کو مخفی رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے ظاہر کرنے سے منع کیا۔ اگر یہ کہو کہ اس کو پکڑے جانے کا خوف تھا تو میں کہتا ہوں کہ جب ایک دفعہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اس پر وارد ہو چکی اور وہ مر کر پھر جلالی جسم کے ساتھ زندہ ہو چکا تو اب اس کو یہودیوں کا کیا خوف تھا۔ کیونکہ اب یہودی کسی طرح اس پر قدرت نہیں پا سکتے تھے۔ اب تو وہ فانی زندگی سے ترقی پا چکا تھا۔ افسوس کہ ایک طرف تو اس کا جلالی جسم سے زندہ ہونا اور حواریوں کو ملنا اور جلیل کی طرف جانا اور پھر آسمان پر اُٹھائے جانا بیان کیا گیا ہے اور پھر بات بات میں اس جلالی جسم کے ساتھ بھی یہودیوں کا خوف ہے اس ملک سے پوشیدہ طور پر بھاگتا ہے تا کوئی یہودی دیکھ نہ لے اور جان بچانے کے لیے ستر کوس کا سفر جلیل کی طرف کرتا ہے۔ بار بار منع کرتا ہے کہ یہ واقعہ کسی کے پاس بیان نہ کرو۔ کیا یہ جلالی جسم کے لچھن اور علامتیں ہیں؟ نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی جلالی اور نیا جسم نہ تھا وہی زخم آلودہ جسم تھا جو جان نکلنے سے بچایا گیا اور چونکہ یہودیوں کا پھر بھی اندیشہ تھا اس لیے برعایت ظاہر اسباب مسیح نے اس ملک کو چھوڑ دیا اس کے مخالف جس قدر باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب

[1] متی ۹:۹

بیہودہ اور خام خیال ہیں کہ پہرہ داروں کو یہودیوں نے رشوت دی کہ تم یہ گواہی دو کہ حواری لاش کو چرا کر لے گئے اور ہم سوتے تھے۔ اگر وہ سوتے تھے تو ان پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ تم کو سونے کی حالت میں کیونکر معلوم ہو گیا کہ یسوع کی لاش کو چوری اٹھا لے گئے اور کیا صرف اتنی بات سے کہ یسوع قبر میں نہیں کوئی عقلمند سمجھ سکتا تھا کہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے کیا دنیا میں اور اسباب نہیں جن سے قبریں خالی رہ جاتی ہیں؟ اس بات کا بارِ ثبوت تو مسیح کے ذمہ تھا کہ وہ آسمان پر جانے کے وقت دو تین سو یہودیوں کو ملتا اور پلاطوس سے بھی ملاقات کرتا جلالی جسم کے ساتھ اس کو کس کا خوف تھا مگر اس نے یہ طریق اختیار نہیں کیا۔ اور اپنے مخالفوں کو ایک ذرہ ثبوت نہیں دیا بلکہ خوفناک دل کے ساتھ جلیل کی طرف بھاگا۔ اس لیے ہم قطعی طور پر یقین رکھتے اور مانتے ہیں کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ وہ اس قبر میں سے نکل گیا جو کوٹھے کی طرح کھڑکی دار تھی اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر حواریوں کو ملا۔ مگر یہ ہرگز سچ نہیں کہ اس نے کوئی نیا جلالی جسم پایا۔ وہی جسم تھا اور وہی زخم تھے اور وہی خوف دل میں تھا کہ مبادا بدبخت یہودی پھر پکڑ لیں۔ متی باب ۲۸ آیت ۷و ۹ و ۱۰ کو غور سے پڑھو۔ ان آیات میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ وہ عورتیں جن کو کسی نے یہ پتہ دیا تھا کہ مسیح جیتا ہے اور جلیل کی طرف جا رہا ہے اور کہنے والے نے چپکے سے یہ بھی کہا تھا کہ شاگردوں کو جا کر یہ خبر کر دو۔ وہ اس بات کو سن کر خوش تو ہوئیں مگر بڑی خوفناک حالت میں روانہ ہوئیں یعنی یہ اندیشہ تھا کہ اب بھی کوئی شریر یہودی مسیح کو پکڑ نہ لے۔ اور آیت ۹ میں ہے کہ جب وہ عورتیں شاگردوں کو خبر دینے جاتی تھیں تو یسوع انہیں ملا اور کہا سلام۔ اور آیت دس میں ہے کہ یسوع نے انہیں کہا مت ڈرو یعنی میرے پکڑے جانے کا اندیشہ نہ کرو پر میرے بھائیوں کو کہو کہ جلیل کو جائیں[1]۔ وہاں مجھے دیکھیں گے یعنی یہاں میں ٹھہر نہیں سکتا کہ دشمنوں کا اندیشہ ہے۔ غرض اگر فی الحقیقت مرنے کے بعد جلالی جسم کے ساتھ زندہ ہوا تھا تو یہ بارِ ثبوت اس پر تھا کہ وہ ایسی زندگی کا یہودیوں کو ثبوت دیتا مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ اس بارِ ثبوت سے سبکدوش نہیں ہوا۔ یہ ایک بدیہی بیہودگی ہے کہ ہم یہودیوں پر الزام لگاویں کہ انہوں نے مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت کو روک دیا بلکہ مسیح نے خود اپنے دوبارہ زندہ ہونے کا ایک ذرہ ثبوت نہیں دیا بلکہ بھاگنے اور چھپنے اور کھانے اور سونے اور زخم دکھلانے سے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔

---

[1] نوٹ: اس جگہ مسیح نے عورتوں کو ان الفاظ سے تسلی نہیں دی کہ اب میں نئے اور جلالی جسم کے ساتھ اُٹھا ہوں اب میرے پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا بلکہ عورتوں کو کمزور دیکھ کر معمولی تسلی دی جو ہمیشہ مرد عورتوں کو دیا کرتے ہیں۔ غرض جلالی جسم کا کوئی ثبوت نہ دیا بلکہ اپنا گوشت اور ہڈیاں دکھلا کر معمولی جسم کا ثبوت دے دیا۔ منہ

# باب دوم

## ان شہادتوں کے بیان میں جو حضرت مسیح کے بچ جانے کی نسبت قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ہم کو ملی ہیں۔

یہ دلائل جواب ہم اس باب میں لکھنے لگے ہیں بظاہر ان کی نسبت ہر ایک کو خیال پیدا ہوگا کہ عیسائیوں کے مقابل پر ان وجوہات کو پیش کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ وہ لوگ قرآن شریف یا کسی حدیث کو اپنے لیے حجت نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم نے محض اس غرض سے ان کو لکھا ہے کہ تا عیسائیوں کو قرآن شریف اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ معلوم ہو اور ان پر یہ حقیقت کھلے کہ کیونکر وہ سچائیاں جو صدہا برس کے بعد اب معلوم ہوئی ہیں وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے پہلے سے بیان کر دی ہیں چنانچہ ان میں سے کسی قدر ذیل میں لکھتا ہوں۔

اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الآیۃ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا الآیۃ[1] یعنی یہودیوں نے نہ حضرت مسیح کو درحقیقت قتل کیا اور نہ بذریعہ صلیب ہلاک کیا بلکہ ان کو محض ایک شبہ پیدا ہوا کہ گویا حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں اور ان کے پاس وہ دلائل نہیں ہیں جن کی وجہ سے ان کے دل اس بات پر مطمئن ہو سکیں کہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب پر جان نکل گئی تھی۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بظاہر مسیح صلیب پر کھینچا گیا اور اس کے مارنے کا ارادہ کیا گیا مگر یہ محض ایک دھوکا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسا خیال کر لیا کہ درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی جان صلیب پر نکل گئی تھی بلکہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے وہ صلیبی موت سے بچ رہا۔ اب انصاف کرنے کا مقام ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے یہود اور نصاریٰ کے برخلاف فرمایا تھا آخر کار وہی بات سچی نکلی اور اس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح درحقیقت صلیبی موت سے بچائے گئے تھے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہودی اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہے کہ کیونکر حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بغیر ہڈیاں توڑنے کے صرف دو تین گھنٹے میں نکل گئی۔ اسی وجہ سے بعض یہودیوں نے ایک اور بات بنائی ہے کہ ہم نے مسیح کو تلوار سے قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ یہودیوں کی پرانی تاریخ کے ص۵

[1] النساء : ۱۵۸

مدد سے مسیح کو تلوار کے ذریعہ قتل کرنا ثابت نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ مسیح کے بچانے کے لیے اندھیرا ہوا بھونچال آیا پلاطوس کی بیوی کو خواب آئی سبت کے دن کی رات قریب آ گئی جس میں مصلوبوں کو صلیب پر رکھنا روا نہ تھا۔ حاکم کا دل بوجہ ہولناک خواب کے مسیح کے چھڑانے کے لیے متوجہ ہوا۔ یہ تمام واقعات خدا نے اس لیے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے کہ تا مسیح کی جان بچ جائے۔ اس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں کر دیا کہ تا ہر ایک کو مردہ معلوم ہو۔ اور یہودیوں پر اس وقت ہیبت ناک نشان بھونچال وغیرہ کے دکھلا کر بزدلی اور خوف اور عذاب کا اندیشہ طاری کر دیا۔ اور یہ دھڑکا اس کے علاوہ تھا کہ سبت کی رات میں لاشیں صلیب پر نہ رہ جائیں پھر یہ بھی ہوا کہ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھ کر سمجھ لیا کہ فوت ہوگیا ہے اندھیرے اور بھونچال اور گھبراہٹ کا وقت تھا۔ گھروں کا بھی اُن کو فکر پڑا کہ شاید اس بھونچال اور اندھیرے سے بچوں پر کیا گذرتی ہوگی اور یہ دہشت بھی دلوں پر غالب ہوئی کہ اگر یہ شخص کاذب اور کافر تھا جیسا کہ ہم نے دل میں سمجھا ہے تو اس کے اس دُکھ دینے کے وقت ایسے ہولناک آثار کیوں ظاہر ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے لہٰذا ان کے دل بے قرار ہو کر اس لائق نہ رہے کہ وہ مسیح کو اچھی طرح دیکھتے کہ آیا مرگیا یا کیا حال ہے۔ مگر درحقیقت یہ سب امور مسیح کے بچانے کے لیے خدائی تدبیریں تھیں اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ یعنی یہود نے مسیح کو جان سے مارا نہیں ہے لیکن خدا نے اُن کو شبہ میں ڈال دیا کہ گویا جان سے مار دیا ہے اس سے راستبازوں کو خدا تعالیٰ کے فضل پر بڑی امید بڑھتی ہے کہ جس طرح اپنے بندوں کو چاہے بچا لے۔

صفحہ ۱۸ اور قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت حضرت مسیح کے حق میں ہے۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ[1]۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی مسیح کو اس کی زندگی میں وجاہت یعنی عزت اور مرتبہ اور عام لوگوں کی نظر میں عظمت اور بزرگی ملے گی اور آخرت میں بھی۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے ہیرودوس اور پلاطوس کے علاقہ میں کوئی عزت نہیں پائی بلکہ غایت درجہ کی تحقیر کی گئی اور یہ خیال کہ دُنیا میں پھر آ کر عزت اور بزرگی پائیں گے یہ ایک بے اصل وہم ہے جو نہ صرف خدا تعالیٰ کی کتابوں کے منشاء کے مخالف بلکہ اس کے قدیم قانونِ قدرت سے بھی مغائر اور مبائن اور پھر ایک بے ثبوت امر ہے مگر واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کے ہاتھ سے نجات پا کر جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خدا تعالیٰ نے ان کو بہت عزت دی اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آ کر ان کو مل گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس ملک میں آکر اکثر ان میں سے بُدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے اور بعض ذلیل قسم کی بُت پرستی میں پھنس گئے تھے۔ سو اکثر ان کے حضرت مسیح کے اس مُلک میں آنے سے راہِ راست پر آ گئے اور چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنے والے نبی کے قبول کرنے کے لیے وصیت تھی اس لیے وہ دس فرقے جو اس ملک میں آ کر افغان اور کشمیری کہلائے آخر کار سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ غرض اس ملک میں حضرت مسیح کو بڑی وجاہت پیدا ہوئی۔

---

[1] آل عمران: ۴۶

اور حال میں ایک سکہ ملا ہے جو اسی ملک پنجاب میں سے برآمد ہوا ہے اس پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام پالی تحریر میں درج ہے اور اسی زمانہ کا سکہ ہے جو حضرت مسیح کا زمانہ تھا اس سے یقین ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس ملک میں آکر شاہانہ عزت پائی۔ اور غالباً یہ سکہ ایسے بادشاہ کی طرف سے جاری ہوا ہے جو حضرت مسیح پر ایمان لے آیا تھا۔ ایک اور سکہ برآمد ہوا ہے اس پر ایک اسرائیلی مرد کی تصویر ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی حضرت مسیح کی تصویر ہے قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت ہے کہ مسیح کو خدا نے ایسی برکت دی ہے کہ جہاں جائیگا وہ مبارک ہوگا۱؎۔ سو ان سکوں سے ثابت ۵۲
ہے کہ اس نے خدا سے بڑی برکت پائی اد.وہ فوت نہ ہوا جب تک اس کو ایک شاہانہ عزت نہ دی گئی۔ اسی طرح قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت ہے۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوْا یعنے اے عیسٰی میں اُن الزاموں سے تجھے بری کروں گا اور تیرا پاکدامن ہونا ثابت کروں گا۔ اور ان تہمتوں کو دُور کروں گا جو تیرے پر یہود اور نصاریٰ نے لگائیں۔ یہ ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اس کا ماحصل یہی ہے کہ یہود نے یہ تہمت لگائی تھی کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح مصلوب ہو کر ملعون ہو کر خدا کی محبت ان کے دل میں سے جاتی رہی اور جیسا کہ لعنت کے مفہوم کے لیے شرط ہے ان کا دل خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ہو گیا اور تاریکی کے بے انتہا طوفان میں پڑ گیا اور بدیوں سے محبت کرنے لگا اور کل نیکیوں کا مخالف ہو گیا اور خدا سے تعلق توڑ کر شیطان کی بادشاہت کے ماتحت ہو گیا اور اس میں اور خدا میں حقیقی دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور یہی تہمت ملعون ہونے کی نصاریٰ نے بھی لگائی تھی مگر نصاریٰ نے اپنی نادانی سے دو ضدوں کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو حضرت مسیح کو خدا کا فرزند قرار دیا اور دوسری طرف ملعون بھی قرار دیا ہے اور خود مانتے ہیں کہ ملعون تاریکی اور شیطان کا فرزند ہوتا ہے یا خود شیطان ہوتا ہے سو حضرت مسیح پر یہ سخت ناپاک تہمتیں لگائی گئی تھیں۔ اور ”مُطَهِّرُكَ“ کی پیشگوئی میں یہ اشارہ ہے کہ اشارہ ہے کہ ایک زمانہ وہ آتا ہے کہ خدا تعالےٰ ان الزاموں سے حضرت مسیح کو پاک کرے گا اور یہی وہ زمانہ ہے۔

اگرچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخوبی ہو گئی کیونکہ آنجناب نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر لگائے گئے تھے لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں اور باریک تھی اس لیے اللہ تعالےٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ۵۳
مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور امور بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تھا۔ اسی طرح تطہیر اور بریّت بھی امور مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنی تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہو گئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے اور جیسا کہ گلگت یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سرینگر میں ان کی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سری کا لفظ موجود ہے یعنے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری

---

۱؎ وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا اَیْنَمَا كُنْتُ۔ (مریم ۳۲)

ہے اور جہاں انیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔ غالباً یہ شہر حضرت مسیح کے وقت میں بنایا گیا ہے اور واقعہ صلیب کی یادگار مقامی کے طور پر اس کا نام گلگت یعنی سری رکھا گیا۔ جیسا کہ لاسہ جس کے معنے ہیں معبود کا شہر۔ یہ عبرانی لفظ ہے اور یہ بھی حضرت مسیح کے وقت میں آباد ہوا ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایک سو پچیس[۱۲۵] برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وہ دونوں جمع نہیں ہوئیں (۱) ایک یہ کہ انہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایک[۱۲۵] سو پچیس برس زندہ رہے (۲) دوم یہ کہ انہوں نے دنیا کے اکثر حصّوں کی سیاحت کی اس لیے نبی سیّاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف تینتیس[۳۳] برس کی عمر میں آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے تو اس صورت میں ایک سو پچیس[۱۲۵] برس کی روایت صحیح نہیں ٹھہر سکتی تھی اور نہ وہ اس چھوٹی سی عمر میں یعنی تینتیس برس میں سیاحت کر سکتے تھے۔ اور یہ روایتیں نہ صرف حدیث کی معتبر اور قدیم کتابوں میں لکھی ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے فرقوں میں اس تواتر سے مشہور ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصوّر نہیں۔ کنز العمال جو احادیث کی ایک جامع کتاب ہے اس کے صفحہ ۳۴[۱] میں ابوہریرہ سے یہ حدیث لکھی ہے۔ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی اَنْ یَا عِیْسٰی اَنْتَقِلْ مِنْ مَکَانٍ اِلٰی مَکَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُوْذٰی۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسےٰ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نقل کرتا رہ یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جا تا کہ کوئی تجھے پہچان کر دُکھ نہ دے۔ اور پھر اسی کتاب میں جابر سے روایت کرکے یہ حدیث لکھی ہے۔ کَانَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَسِیْحُ فَاِذَا اَمْسٰی اَکَلَ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَیَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ[۲]۔ یعنے حضرت عیسٰی علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑتی تھی تو جنگل کے بقولات میں سے کچھ کھاتے تھے اور خالص پانی پیتے تھے۔ اور پھر اسی کتاب میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس کے یہ لفظ ہیں۔ قَالَ اَحَبُّ شَیْءٍ اِلَی اللّٰہِ الْغُرَبَاءُ قِیْلَ اَیُّ شَیْءٍ اَلْغُرَبَاءُ۔ قَالَ الَّذِیْنَ یَفِرُّوْنَ بِدِیْنِھِمْ وَیَجْتَمِعُوْنَ اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ[۳]۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے سب سے پیارے خدا کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ پوچھا گیا کہ غریب کے کیا معنے ہیں کہا وہ لوگ ہیں جو عیسٰی مسیح کی طرف دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔

صفحہ ۵۵

---

[۱] جلد دوم۔ [۲] جلد دوم صفحہ ۷۱۔ [۳] جلد ۶ صفحہ ۵۱

# تیسرا باب

## ( ان شہادتوں کے بیان میں جو طبابت کی کتابوں میں سے لی گئی ہیں )

ایک اعلیٰ درجہ کی شہادت جو حضرت مسیح کے صلیب سے بچنے پر ہم کو ملی ہے اور جو ایسی شہادت ہے کہ بجز ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا وہ ایک نسخہ ہے جس کا نام مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی صدہا کتابوں میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ ان کتابوں میں سے بعض ایسی ہیں جو عیسائیوں کی تالیف ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے مؤلف مجوسی یا یہودی ہیں اور بعض کے بنانے والے مسلمان ہیں۔ اور اکثر ان میں بہت قدیم زمانہ کی ہیں۔ تحقیق سے ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول زبانی طور پر اس نسخہ کا لاکھوں انسانوں میں شہرہ ہو گیا اور پھر لوگوں نے اس نسخہ کو قلمبند کر لیا۔ پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قراباذین تالیف ہوئی جس میں یہ نسخہ تھا۔ اور جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لیے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔ پھر وہ قراباذین کئی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئی یہاں تک کہ مامون رشید کے زمانہ میں عربی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اور یہ خدا کی عجیب قدرت ہے کہ ہر ایک مذہب کے فاضل طبیب نے کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مجوسی اور کیا مسلمان سب نے اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کے حواریوں نے طیار کیا تھا اور جن کتابوں میں ادویہ مفردہ کے خواص لکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کے لیے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے اور چونکہ اس میں مُر بھی داخل ہے اس لیے زخم کیڑا پڑنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور یہ دوا طاعون کے لیے بھی مفید ہے اور ہر قسم کے پھوڑے پھنسی کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعہ سے تجویز فرمائی تھی یا کسی طبیب کے مشورہ سے طیار کی گئی تھی۔ اس میں بعض دوائیں اکسیر کی طرح ہیں خاص کر مُر جس کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ بہرحال اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے اور اور اس قدر طاقت آگئی کہ آپ تین روز میں یروشلم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پیادہ پا گئے۔ پس اس دوا کی تعریف میں اس قدر کافی ہے کہ مسیح تو اوروں کو اچھا کرتا تھا مگر اس دوا نے مسیح کو اچھا کیا۔ اور جن طب کی کتابوں میں یہ نسخہ لکھا گیا وہ ہزار کتاب سے بھی زیادہ ہیں جن کی فہرست لکھنے سے بہت طول ہو گا اور چونکہ یہ نسخہ یونانی طبیبوں میں بہت مشہور ہے اس لیے میں کچھ ضرورت نہیں دیکھتا کہ تمام کتابوں کے نام اس جگہ لکھوں محض چند کتابیں جو اس جگہ موجود ہیں ذیل میں لکھ دیتا ہوں۔

## فہرست اُن طبّی کتابوں کی جن میں مرہم عیلٰے کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسٰی کے لیے یعنی ان کے بدن کے زخموں کے لیے بنائی گئی تھی

قانون شیخ الرئیس بو علی سینا جلد ثالث صفحہ نمبر ۱۳۳۔ شرح قانون علامہ قطب الدین شیرازی جلد ثالث۔ کامل الصناعۃ تصنیف علی بن العباس المجوسی جلد دوم صفحہ ۶۰۲۔ کتاب مجموعہ بقائی مصنفہ محمود محمد اسمٰعیل مخاطب از خاقان بخطاب پدر محمد بقاخان۔ جلد ۲ صفحہ ۴۹۷۔ کتاب تذکرۃ اولوالالباب مصنفہ شیخ داؤد الضریر الانطاکی صفحہ ۳۰۳۔ قرابادین رومی مصنفہ قریب زمانہ حضرت مسیح جس کا ترجمہ مامون رشید کے وقت میں عربی میں ہوا امراض جلد۔ کتاب عمدۃ المحتاج مصنفہ احمد بن حسن الرشیدی الحکیم اس کتاب میں مرہم عیسٰی وغیرہ ادویہ سو کتاب میں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کتابوں میں سے لکھی گئی ہیں اور وہ تمام کتابیں فرنچ زبان میں تھیں۔ کتاب قرابادین فارسی مصنفہ حکیم محمد اکبر ارزانی امراض جلد۔ کتاب شفاء الاسقام جلد دوم صفحہ ۲۳۰۔ کتاب مرآۃ الشفا مصنفہ حکیم نتھو شاہ نسخہ قلمی امراض جلد۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی امراض جلد۔ شرح قانون گیلانی جلد ثالث۔ شرح قانون قرشی جلد ثالث۔ قرابادین علوی خان امراض جلد۔ کتاب علاج الامراض مصنفہ حکیم محمد شریف خانصاحب صفحہ ۸۹۳۔ قرابادین یونانی امراض جلد۔ تحفۃ المؤمنین بر حاشیہ مخزن الادویہ صفحہ ۷۱۳۔ کتاب محیط فی الطب صفحہ ۳۶۷۔ کتاب اکسیر اعظم جلد رابع مصنفہ حکیم محمد اعظم خانصاحب المخاطب بناظم جہاں صفحہ ۳۳۱۔ کتاب قرابادین معصومی لمعصوم بن کریم الدین الشوستری شیرازی۔ کتاب عجالہ نافعہ لمحمد شریف دہلوی صفحہ ۴۱۰۔ کتاب شفائی مسمّٰی بلوامع شفائیہ تالیف سید حسین شفائی کاظمی صفحہ ۴۷۱۔ کتاب مخزن سلیمانی ترجمہ اکسیر عربی صفحہ ۵۹۹ مترجم محمد شمس الدین صاحب بہاولپوری۔ شفاء الامراض مترجم مولینا الحکیم محمد نور کریم صفحہ ۲۸۲۔ کتاب الطب داراشکوہی مؤلفہ نورالدین محمد عبدالحکیم عین الملک الشیرازی ورق ۳۶۰۔ کتاب منہاج الدکان بدستور الاعیان فی اعمال وترکیب النافعۃ للابدان تالیف افلاطون زمانہ ورئیس اوانہ ابوالمنا ابن ابی نصر العطار الاسرائیلی الہارونی (یعنی یہودی) صفحہ ۸۶۔ کتاب زبدۃ الطب لسید الامام ابوابراہیم اسمٰعیل بن حسن الحسینی الجرجانی ورق ۱۸۲۔ طب اکبر مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۲۴۲۔ کتاب میزان الطب مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۱۵۲۔ سدیدی مصنفہ رئیس المتکلمین امام المحققین السدید الکازرونی صفحہ ۲۸۲ جلد ۲۔ کتاب حاوی کبیر ابن ذکریا امراض جلد۔ قرابادین ابن تلمیذ امراض جلد قرابادین ابن ابی صادق امراض جلد۔

یہ وہ کتابیں ہیں جن کو مَیں نے بطور نمونہ اس جگہ لکھا ہے۔ اور یہ بات اہل علم اور خاص کر طبیبوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اکثر ان میں ایسی کتابیں ہیں جو پہلے زمانہ میں اسلام کے بڑے بڑے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور یورپ کے طالب العلم بھی ان کو پڑھتے تھے۔ اور یہ کہنا بالکل سچ اور مبالغہ کی ایک ذرہ آمیزش سے بھی پاک ہے کہ ہر ایک صدی میں قریباً کروڑ ہا انسان ان کتابوں کے نام سے واقف ہوتے چلے آئے ہیں اور لاکھوں انسانوں نے ان کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے اور ہم بڑے زور سے کہہ سکتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا کے عالم لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ اُن

بعض عظیم الشان کتابوں کے نام سے ناواقف ہو جو اس فہرست میں درج ہیں۔ جس زمانہ میں ہسپانیہ اور کیسمنو اور سسٹیلیرنم دارالعلم[1] تھے۔ اس زمانہ میں بوعلی سینا کی کتاب قانون جو طب کی ایک بڑی کتاب ہے جس میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ ہے اور دوسری کتابیں شفا اور اشارات اور بشارات جو طبعی اور ہیئت اور فلسفہ وغیرہ میں ہیں بڑے شوق سے اہل یورپ سیکھتے تھے اور ایسا ہی ابونصر فارابی اور ابوریحان اور اسرائیل اور ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق وغیرہ فاضلوں کی کتابیں اور اُن کی یونانی سے ترجمہ شدہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ یقیناً ان کتابوں کے ترجمے یورپ کے کسی حصہ میں ابتک موجود ہوں گے اور چونکہ اسلام کے بادشاہ علم طب وغیرہ کو ترقی دینا دل چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے یونان کی عمدہ عمدہ کتابوں کا ترجمہ کرایا اور عرصہ دراز تک ایسے بادشاہوں میں خلافت رہی کہ وہ ملک کی توسیع کی نسبت علم کی توسیع زیادہ چاہتے تھے انہی وجوہ اور اسباب سے انہوں نے نہ صرف یونانی کتابوں کے ترجمے عربی میں کرائے بلکہ ملک ہند کے فاضل پنڈتوں کو بھی بڑی بڑی تنخواہوں پر طلب کر کے طب وغیرہ علوم کے بھی ترجمے کرائے پس اُن کے احسانوں میں سے حق کے طالبوں پر یہ ایک بڑا احسان ہے جو اُنہوں نے اُن رومی و یونانی وغیرہ طبی کتابوں کے ترجمے کرائے جن میں مرہم عیسیٰ موجود تھی اور جس پر کتبہ کی طرح یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لیے طیار کی گئی تھی۔ فاضل حکماء عہد اسلام نے جیسا کہ ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق ہیں جن کو علاوہ علم طب و طبعی و فلسفہ وغیرہ کی یونانی زبان میں خوب مہارت تھی جب اُس قرابادین کا جس میں مرہم عیسیٰ تھی ترجمہ کیا تو عقلمندی سے شلیخا کے لفظ کو جو ایک یونانی لفظ ہے جو باراں کو کہتے ہیں بعینہٖ عربی میں لکھ دیا تا اس بات کا اشارہ کتابوں میں قائم رہے کہ یہ کتاب یونانی قرابادین سے ترجمہ کی گئی۔ اسی وجہ سے اکثر ہر ایک کتاب میں شلیخا کا لفظ بھی لکھا ہوا پاؤ گے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگرچہ پورانے سکّے بڑی قابل قدر چیزیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے بڑے بڑے تاریخی اسرار کھلتے ہیں لیکن ایسی پورانی کتابیں جو مسلسل طور پر ہر صدی میں کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئیں اور بڑے بڑے مدارس میں پڑھائی گئیں اور اب تک درسی کتابوں میں داخل ہیں۔ ان کا مرتبہ اور عزت ان سکّوں اور کتبوں سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کتبوں اور سکّوں میں جعلسازی کی بھی گنجائشیں ہیں لیکن وہ علمی کتابیں جو اپنے ابتدائی زمانہ میں ہی کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئی ہیں اور ہر ایک قوم ان کی محافظ اور پاسبان ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہے ان کی تحریریں بلاشبہ ایسی اعلیٰ درجہ کی شہادتیں ہیں جو سکّوں اور کتبوں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں اگر ممکن ہو تو کسی سکّہ یا کتبہ کا نام تو لو جس نے ایسی شہرت پائی ہو جیسا کہ بوعلی سینا کے قانون نے۔ غرض مرہم عیسیٰ حق کے طالبوں کے لیے ایک عظیم الشان شہادت ہے۔ اگر اس شہادت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر دنیا کے تمام تاریخی ثبوت اعتبار سے گر جاویں گے کیونکہ اگرچہ ابتک ایسی کتابیں جن میں اس مرہم کا ذکر ہے۔ قریباً ایک ہزار ہیں یا کچھ زیادہ لیکن کروڑ ہا انسانوں میں یہ

---

[1] ہسپانیہ یعنی اندلس۔ کیسمنو یعنی قسطونیہ۔ سستیلیرنم یعنی شنتریں۔ منہ

کتابیں اور ان کے مؤلف شہرت یافتہ ہیں اب ایسا شخص علم تاریخ کا دشمن ہوگا جو اس بدیہی اور روشن اور پُر زور ثبوت کو قبول نہ کرے۔ اور کیا یہ تحکم پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس قدر عظیم الشان ثبوت کو ہم نظرانداز کردیں اور کیا ہم ایسے بھاری ثبوت پر بدگمانی کرسکتے ہیں جو یورپ اور ایشیا پر دائرہ کی طرح محیط ہوگیا ہے اور جو یہودیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مسلمانوں کے نامی فلاسفروں کی شہادتوں سے پیدا ہوا ہے۔ اب اے محققوں کی روحو! اس اعلیٰ ثبوت کی طرف دوڑو۔ اور اے منصف مزاجو! اس معاملہ میں ذرہ غور کرو۔ کیا ایسا چمکتا ہوا ثبوت اس لائق ہے کہ اس پر توجہ نہ کی جائے؟ کیا مناسب ہے کہ ہم اس آفتاب صداقت سے روشنی حاصل نہ کریں؟ یہ وہم بالکل لغو اور بیہودہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے زمانہ سے پہلے چوٹیں لگی ہوں یا نبوت کے زمانہ کی ہی چوٹیں ہوں مگر وہ صلیب کی نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے ہاتھ اور پیر زخمی ہوگئے ہوں۔ مثلاً وہ کسی کوٹھے پر سے گر گئے ہوں اور اس صدمہ کے لیے یہ مرہم طیار کی گئی ہو کیونکہ نبوت کے زمانہ سے پہلے حواری نہ تھے اور اس مرہم میں حواریوں کا ذکر ہے۔ شلیخا کا لفظ جو یونانی ہے جو یاراں کو کہتے ہیں۔ ان کتابوں میں اب تک موجود ہے اور نیز نبوت کے زمانہ سے پہلے حضرتِ مسیح کی کوئی عظمت تسلیم نہیں کی گئی تھی تا اس کی یادگار محفوظ رکھی جاتی اور نبوت کا زمانہ صرف ساڑھے تین برس تھا اور اس مدت میں کوئی واقعہ ضربہ یا سقطہ کا بجز واقعہ صلیب کے حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت تاریخوں سے ثابت نہیں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ممکن ہے کہ ایسی چوٹیں کسی اور سبب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لگی ہوں تو یہ ثبوت اس کے ذمہ ہے کیونکہ ہم جس واقعہ کو پیش کرتے ہیں وہ ایک ایسا ثابت شدہ اور مانا ہوا واقعہ ہے کہ نہ یہودیوں کو اس سے انکار ہے اور نہ عیسائیوں کو یعنی صلیب کا واقعہ۔ لیکن یہ خیال کہ کسی اور سبب سے کوئی چوٹ حضرت مسیح کو لگی ہوگی کسی قوم کی تاریخ سے ثابت نہیں اس لیے ایسا خیال کرنا عمداً سچائی کی راہ کو چھوڑنا ہے۔ یہ ثبوت ایسا نہیں ہے کہ اس قسم کے بیہودہ عذرات سے رد ہوسکے اب تک بعض کتابیں بھی موجود ہیں جو مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک پُرانا قلمی نسخہ قانون بو علی سینا کا اسی زمانہ کا لکھا ہوا میرے پاس بھی موجود ہے۔ تو پھر یہ صریح ظلم اور سچائی کا خون کرنا ہے کہ ایسے روشن ثبوت کو یونہی پھینک دیا جائے۔ بار بار اس بات پر غور کرو اور خوب غور کرو کہ کیونکر یہ کتابیں اب تک یہودیوں اور مجوسیوں اور عیسائیوں اور عربوں اور فارسیوں اور یونانیوں اور رومیوں اور اہل جرمن اور فرانسیسیوں اور دوسرے یورپ کے ملکوں اور ایشیا کے پرانے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اور کیا یہ لائق ہے کہ ہم ایسے ثبوت سے جس کی روشنی سے انکار کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں یونہی مُنہ پھیر لیں؟ اگر یہ کتابیں صرف اہلِ اسلام کی تالیف اور اہلِ اسلام کے ہی ہاتھ میں ہوتیں تو شاید کوئی جلد باز یہ خیال کرسکتا کہ مُسلمانوں نے عیسائی عقیدہ پر حملہ کرنے کے لیے جعلی طور پر یہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں مگر یہ خیال علاوہ ان وجوہ کے جو ہم بعد میں لکھتے ہیں اس وجہ سے بھی غلط تھا کہ ایسے جعل کے مسلمان کسی طور سے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد بلا توقف آسمان پر چلے گئے۔ اور مُسلمان تو اس بات کے قائل بھی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا گیا یا صلیب پر سے اُنکو زخم پہنچے پھر وہ عمداً ایسی جعلسازی کیونکر کرسکتے تھے جو ان کے عقیدہ کے بھی مخالف تھی۔ ماسوا اس کے ابھی

اسلام کا دنیا میں وجود بھی نہیں تھا جبکہ رومی و یونانی وغیرہ زبانوں میں ایسی قرابادینیں لکھی گئیں اور کروڑہا لوگوں میں مشہور کی گئیں جن میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ موجود تھا اور ساتھ ہی یہ تشریح بھی موجود تھی کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بنائی تھی۔ اور یہ قومیں یعنی یہودی و عیسائی و اہل اسلام و مجوسی مذہبی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے پس ان سب کا اس مرہم کو
اپنی کتابوں میں درج کرنا بلکہ درج کرنے کے وقت اپنے مذہبی عقیدوں کی بھی پرواہ نہ رکھنا صاف اس بات کا ثبوت ص۶۲
ہے کہ یہ مرہم ایسا واقعہ مشہورہ تھا کہ کوئی فرقہ اور کوئی قوم اس سے منکر نہ ہوسکی۔ ہاں جبتک وہ وقت نہ آیا جو مسیح موعود کے ظہور کا وقت تھا۔ اس وقت تک ان تمام قوموں کے ذہن کو اس طرف التفات نہیں ہوئی کہ یہ نسخہ جو صدہا کتابوں میں درج اور مختلف قوموں کے کروڑہا انسانوں میں شہرت یاب ہوچکا ہے اس سے کوئی تاریخی فائدہ حاصل کریں۔ پس اس جگہ ہم بجز اس کے کچھ کہہ نہیں سکتے کہ یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے اس کی نسبت ابتدا سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو اور وہی ہے جو کسر صلیب اس کے ہاتھ پر ہوگی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہوجائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل حقیقت کھل جائے گی تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہوجائے گی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے بلکہ محض آسمانی اسباب سے جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوں گے یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھلے گی اور غور کرنے والے غور کریں گے کیونکہ خدا کا مسیح آگیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے
گی کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے۔ اور کیا ہی سعادتمند وہ ص۶۳
شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ پھل اپنے وقت پر آتے ہیں ایسا ہی نور بھی اپنے وقت پر ہی اترتا ہے۔ اور قبل اس کے جو وہ خود اترے کوئی اس کو اتار نہیں سکتا اور جبکہ وہ اترے تو کوئی اس کو بند نہیں کر سکتا۔ مگر ضرور ہے کہ جھگڑے ہوں اور اختلاف ہو مگر آخر سچائی کی فتح ہے کیونکہ یہ امر انسان سے نہیں ہے اور نہ کسی آدم زاد کے ہاتھوں سے۔ بلکہ اس خدا کی طرف سے ہے جو موسموں کو بدلاتا اور وقتوں کو پھیرتا اور دن سے رات اور رات سے دن کو نکالتا ہے وہ تاریکی بھی پیدا کرتا ہے مگر چاہتا روشنی کو ہے۔ وہ شرک کو بھی پھیلنے دیتا ہے مگر پیار اس کا توحید سے ہی ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کا جلال دوسرے کو دیا جائے۔ جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اس وقت تک کہ نابود ہوجائے خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ وہ توحید کی ہمیشہ حمایت کرتا ہے جتنے نبی اس نے بھیجے سب اسی لیے آئے تھے کہ تا انسانوں اور دوسری مخلوقوں کی پرستش دُور کر کے خدا کی پرستش دنیا میں قائم کریں اور ان کی خدمت یہی تھی کہ لا الٰہ الا اللہ کا مضمون زمین پر چمکے جیسا کہ وہ آسمان پر

چمکتا ہے۔ سو ان سب میں سے بڑا وہ ہے جس نے اس مضمون کو بہت چمکایا جس نے پہلے باطل الہٰوں کی کمزوری ثابت کی اور علم اور طاقت کے رو سے ان کا ہیچ ہونا ثابت کیا۔ اور جب سب کچھ ثابت کر چکا تو پھر اس فتح نمایاں کی ہمیشہ کے لیے یادگار یہ چھوڑی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس نے صرف بے ثبوت دعوے کے طور پر لا الٰہ الا اللہ نہیں کہا بلکہ اس نے پہلے ثبوت دے کر اور باطل کا بطلان دکھلا کر پھر لوگوں کو اس طرف توجہ دی کہ دیکھو اس خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں جس نے تمہاری تمام قوتیں توڑ دیں اور تمام شیخیاں نابود کر دیں۔ سو اس ثابت شدہ بات کو یاد دلانے کے لیے ہمیشہ کے لیے یہ مبارک کلمہ سکھلایا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

---

# باب چہارم

## (ان شہادتوں کے بیان میں جو تاریخی کتابوں سے ہمکو ملی ہیں)

چونکہ اس باب میں مختلف قسم کی شہادتیں ہیں اس لیے صفائی ترتیب کے لیے ہم اس کو کئی فصل پر منقسم کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

# پہلی فصل

ان شہادتوں کے ذکر میں جو ان اسلامی کتابوں سے لی گئی ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی سیاحت کو ثابت کرتی ہیں

---

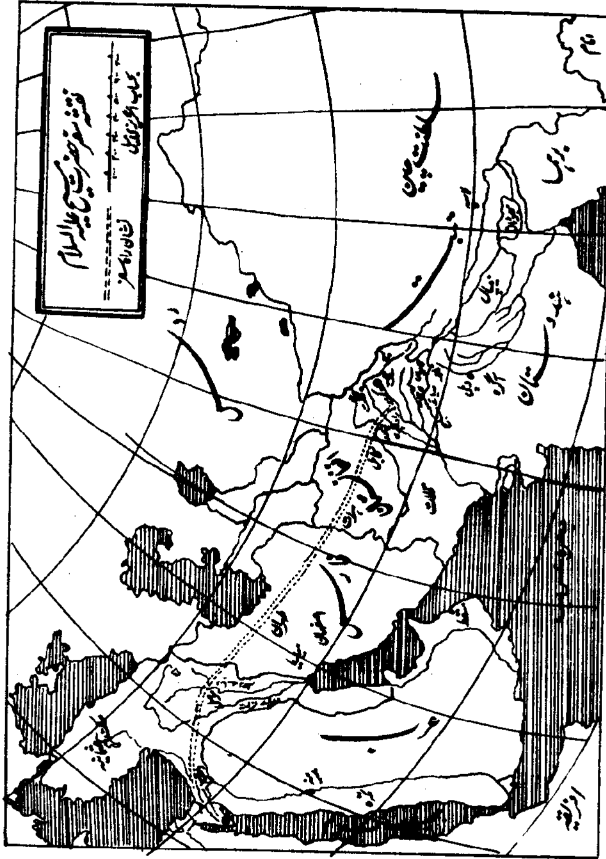
کتاب روضۃ الصفا جو ایک مشہور تاریخی کتاب ہے اس کے صفحہ ۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵ میں بزبان فارسی وہ عبارت لکھی ہے جس کا خلاصہ ترجمہ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے:

”حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام مسیح اس واسطے رکھا گیا کہ وہ سیاحت بہت کرتے تھے ایک پشمی طاقیہ ان کے سر پر ہوتا تھا اور ایک پشمی کرتہ پہنے رہتے تھے۔ اور ایک عصا ہاتھ میں ہوتا تھا اور ہمیشہ ملک بملک اور شہر بشہر پھرتے تھے اور جہاں رات پڑ جاتی وہیں رہ جاتے تھے جنگل کی سبزی کھاتے تھے اور جنگل کا پانی پیتے اور پیادہ سیر کرتے تھے۔ ایک دفعہ سیاحت ۷۵

کے زمانہ میں ان کے رفیقوں نے ان کے لیے ایک گھوڑا خرید ا اور ایک دن سواری کی مگر چونکہ گھوڑے کے آب و دانہ اور چارے کا بندوبست نہ ہو سکا اس لیے اس کو واپس کر دیا۔ وہ اپنے ملک سے سفر کر کے نصیبین میں پہنچے جو ان کے وطن سے کئی سو کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور آپ کے ساتھ چند حواری بھی تھے۔ آپ نے حواریوں کو تبلیغ کے لیے شہر میں بھیجا۔ مگر اس شہر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ کی نسبت غلط اور خلاف واقعہ خبریں پہنچی ہوئی تھیں اس لیے اس شہر کے حاکم نے حواریوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بُلایا آپ نے اعجازی برکت سے بعض بیماروں کو اچھا کیا اور اور بھی کئی معجزات دکھلائے اس لیے نصیبین کے ملک کا بادشاہ مع تمام لشکر اور باشندوں کے آپؑ پر ایمان لے آیا۔ اور نزول مائدہ کا قصہ جو قرآن شریف میں ہے وہ واقعہ بھی ایام سیاحت کا ہے۔"

یہ خلاصہ بیان تاریخ روضۃ الصفا ہے اور اس جگہ مصنف کتاب نے بہت سے بیہودہ اور لغو اور دُور از عقل معجزات بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف منسوب کیے ہیں جن کو ہم افسوس کے ساتھ چھوڑتے ہیں اور اپنی اس کتاب کو ان جھوٹ اور فضول اور مبالغہ آمیز باتوں سے پاک رکھ کر صرف اصل مطلب اس سے لیتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیحؑ علیہ السلام سیر کرتے کرتے نصیبین تک پہنچ گئے تھے اور نصیبین موصل اور شام کے درمیان ایک شہر ہے جس کو انگریزی نقشوں میں نسی بس کے نام سے لکھا ہے جب ہم ملک شام سے فارس کی طرف سفر کریں تو ہماری راہ میں نصیبین آئیگا اور وہ بیت المقدس سے قریباً ساڑھے چار سو کوس ہے اور پھر نصیبین سے قریباً ۴۸ میل موصل ہے جو بیت المقدس سے پانسو میل کے فاصلہ پر ہے اور موصل سے فارس کی حد صرف سو میل رہ جاتی ہے اس حساب سے نصیبین فارس کی حد سے ڈیڑھ سو میل پر ہے اور فارس کی مشرقی حد افغانستان کی شہر ہرات تک ختم ہوتی ہے یعنی فارس کی طرف ہرات افغانستان کی مغربی حد پر واقع ہے اور فارس کی مغربی حد سے قریباً نو سو میل کے فاصلہ پر ہے اور ہرات سے درۂ خیبر تک قریباً پانسو میل کا فاصلہ ہے۔

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں



یہ ان ملکوں اور شہروں کا نقشہ ہے جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا کشمیر کی طرف آتے ہوئے گذر ہوا اس سیر و سیاحت سے آپ کا یہ ارادہ تھا کہ تا اوّل ان بنی اسرائیل کو ملیں جن کو شاہ سلمنذر پکڑ کر ملک میدیا میں لے گیا تھا اور یاد رہے کہ عیسائیوں کے شائع کردہ نقشہ میں میدیا بحیرۂ خزر کے جنوب میں دکھایا گیا ہے جہاں آجکل فارس کا ملک واقع ہے۔ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ کم سے کم میدیا اس ملک کا ایک حصہ تھا جسے آجکل فارس کہتے ہیں اور فارس کی مشرقی حد افغانستان سے متصل ہے اور اس کے جنوب میں سمندر ہے اور مغرب میں ملک رُوم۔ بہرحال اگر روضۃ الصفا کی روایت پر اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نصیبین کی طرف سفر کرنا اس غرض سے تھا کہ تا فارس کی راہ سے افغانستان میں آویں اور ان گمشدہ یہودیوں کو جو آخر افغان کے نام سے مشہور ہوئے حق کی طرف دعوت کریں افغان کا نام عبرانی معلوم ہوتا ہے۔ یہ لفظ ترکیبی ہے جس کے معنے بہادر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی فتحیابیوں کے وقت یہ خطاب بہادر کا اپنے لیے مقرر کیا۔[1]

اب حاصل کلام یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افغانستان سے ہوتے ہوئے پنجاب کی طرف آئے۔ اس ارادہ سے کہ پنجاب اور ہندوستان دیکھتے ہوئے پھر کشمیر کی طرف قدم اٹھاویں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ افغانستان اور کشمیر کی حد فاصل چترال کا علاقہ اور کچھ حصہ پنجاب کا ہے۔ اگر افغانستان سے کشمیر میں پنجاب کے رستے سے آویں تو قریباً اسی کوس یعنی ۱۴۰ میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اور چترال کی راہ سے سو کوس کا فاصلہ ہے لیکن حضرت مسیح نے بڑی عقلمندی سے افغانستان کا راہ اختیار کیا تا اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں جو افغان تھے فیضیاب ہو جائیں اور کشمیر کی مشرقی حد ملک تبت سے متصل ہے اس لیے کشمیر میں آکر بآسانی تبت میں جا سکتے تھے اور پنجاب میں داخل ہو کر ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ قبل اس کے جو کشمیر اور تبت کی طرف آویں ہندوستان کے مختلف مقامات کا سیر کریں۔ سو جیسا کہ اس ملک کی پُرانی تاریخیں بتلاتی ہیں یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت مسیح نے نیپال اور بنارس وغیرہ مقامات کا سیر کیا ہوگا اور پھر جموں یا راولپنڈی کی راہ سے کشمیر کی طرف گئے ہونگے چونکہ وہ ایک سرد ملک کے آدمی تھے اس لیے یہ یقینی امر ہے کہ ان ملکوں میں غالباً وہ صرف جاڑے تک ہی ٹھہرے ہونگے

[1] توریت میں بنی اسرائیل کے لیے وعدہ تھا کہ اگر تم آخری نبی پر ایمان لاؤ گے تو آخری زمانہ میں بہت سی مصیبتوں کے بعد پھر حکومت اور بادشاہت تم کو ملے گی چنانچہ وہ وعدہ اس طور پر پورا ہوا کہ بنی اسرائیل کی دس قوموں نے اسلام اختیار کر لیا اسی وجہ سے افغانوں میں بڑے بڑے بادشاہ ہوئے اور نیز کشمیریوں میں بھی۔ منہ

٭ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۱ :۔ یو۔سی۔بی۔ایس۔ اے عیسائی تاریخ یونانی جسکو ہنری ایک شخص لندن کے رہنے والے نے ۱۸۵۰ء؁ میں انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اس کے پہلے باب چودھویں فصل میں ایک خط ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ ابگیرس نام نے دریائے فرات کے پار سے حضرت عیسیٰ کو اپنے پاس بلایا تھا۔ ابگیرس کا حضرت عیسیٰ کی طرف خط اور حضرت عیسیٰ کا جواب بہت جھوٹ اور مبالغہ سے بھرا ہوا ہے مگر اس قدر سچی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس بادشاہ نے یہودیوں کا ظلم سُنکر حضرت عیسیٰ کو اپنے پاس پناہ دینے کے لیے بلایا تھا اور بادشاہ کو خیال تھا کہ یہ سچا نبی ہے۔ منہ

اور اخیر مارچ یا اپریل کے ابتدا میں کشمیر کی طرف کوچ کیا ہوگا اور چونکہ وہ ملک بلاد شام سے بالکل مشابہ ہے اس لیے یہ بھی یقینی ہے کہ اس ملک میں سکونت مستقل اختیار کر لی ہوگی۔ اور ساتھ اس کے یہ بھی خیال ہے کہ کچھ حصہ اپنی عمر کا افغانستان میں بھی رہے ہوں گے اور کچھ بعید نہیں کہ وہاں شادی بھی کی ہو۔ افغانوں میں ایک قوم عیسیٰ خیل کہلاتی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی ہی اولاد ہوں۔ مگر افسوس کہ افغانوں کی قوم کا تاریخی شیرازہ نہایت درہم برہم ہے اس لیے ان کے قومی تذکروں کے ذریعہ سے کوئی اصلیت پیدا کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ بہر حال اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ افغان بنی اسرائیل میں سے ہیں جیسا کہ کشمیری بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنی تالیفات میں اس کے برخلاف لکھا ہے انہوں نے سخت دھوکہ کھایا ہے اور فکر دقیق سے کام نہیں لیا۔ افغان اس بات کو مانتے ہیں کہ وہ قیس کی اولاد میں سے ہیں اور قیس بنی اسرائیل میں سے ہے۔ خیر اس جگہ اس بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی ایک کتاب میں اس بحث کو کامل طور پر لکھ چکے ہیں۔

اس جگہ صرف حضرت مسیح کی سیاحت کا ذکر ہے جو نصیبین کی راہ سے افغانستان میں ہوکر اور پنجاب میں گذر کر کشمیر اور تبت تک ہوئی۔ اسی لیے سفر کی وجہ سے آپ کا نام نبی سیاح بلکہ سیاحوں کا سردار رکھا گیا۔ چنانچہ ایک اسلامی فاضل امام عالم علامہ یعنی عارف باللہ ابی بکر محمد بن محمد ابن الولید الفہری الطرطوشی المالکی جو اپنی عظمت اور فضیلت میں شہرۂ آفاق ہیں اپنی کتاب سراج الملوک میں جو مطبع خیریہ مصر میں ۱۳۰۶ھ میں چھپی ہے یہ عبارت حضرت مسیح کے حق میں لکھتے ہیں جو صفحہ ۶ میں درج ہے۔ ” اَیْنَ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ رَاسُ الزَّاھِدِیْنَ وَاِمَامُ السَّائِحِیْنَ۔ یعنی کہاں ہے عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ جو زاہدوں کا سردار اور سیاحوں کا امام تھا یعنی وہ وفات پا گیا اور ایسے ایسے انسان بھی دنیا میں نہ رہے۔ دیکھو اس جگہ اس فاضل نے حضرت عیسیٰ کو نہ صرف سیاح بلکہ سیاحوں کا امام لکھا ہے۔ ایسا ہی لسان العرب کے صفحہ ۴۳۱ میں لکھا ہے: قِیْلَ سُمِّیَ عِیْسٰی بِمَسِیْحٍ لِاَنَّہٗ کَانَ سَائِحًا فِی الْاَرْضِ لَا یَسْتَقِرُّ۔ یعنی عیسیٰ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کہ وہ زمین میں سیر کرتا رہتا تھا اور کہیں اور کسی جگہ اس کو قرار نہ تھا۔ یہی مضمون تاج العروس شرح قاموس میں بھی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح وہ ہوتا ہے جو خیر اور برکت کے ساتھ مسح کیا گیا ہو یعنی اس کی فطرت کو خیر و برکت دی گئی ہو یہاں تک کہ اس کا چھونا بھی خیر و برکت کو پیدا کرتا ہو۔ اور یہ نام حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ یہ نام دیتا ہے۔ اور اس کے مقابل پر ایک وہ بھی مسیح ہے جو شر اور لعنت کے ساتھ مسح کیا گیا یعنی اس کی فطرت شر اور لعنت پر پیدا کی گئی یہاں تک کہ اس کا چھونا بھی شر اور لعنت اور ضلالت پیدا کرتا ہے اور یہ نام مسیح دجال کو دیا گیا اور نیز ہر ایک کو جو اس کا ہم طبع ہو اور یہ دونوں نام یعنی مسیح سیاحت کرنیوالا اور مسیح برکت دیا گیا یہ باہم ضد نہیں ہیں اور پہلے معنے دوسرے کو باطل نہیں کر سکتے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی یہ بھی عادت ہے کہ ایک نام کسی کو عطا کرتا ہے اور کئی معنے اس سے مراد ہوتے ہیں اور سب اس پر صادق آتے ہیں۔ اب خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سیاح ہونا اس قدر اسلامی تواریخ سے ثابت ہے کہ اگر ان تمام کتابوں میں سے نقل کیا جائے تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مضمون اپنے طول کی وجہ سے ایک ضخیم کتاب ہو سکتی ہے اس لیے اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔

# دُوسری فصل

## (ان تاریخی کتابوں کی شہادت میں جو بُدھ مذہب کی کتابیں ہیں)

واضح ہو کہ بُدھ مذہب کی کتابوں میں سے انواع اقسام کی شہادتیں ہم کو دستیاب ہوتی ہیں جن کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ضرور اس ملک پنجاب و کشمیر وغیرہ میں آئے تھے ان شہادتوں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں تا ہر ایک منصف ان کو اوّل غور سے پڑھے اور پھر ان کو اپنے دل میں ایک مسلسل صورت میں ترتیب دیکر خود ہی نتیجہ مذکورہ بالا تک پہنچ جائے اور وہ یہ ہیں :

اوّل وہ خطاب جو بُدھ کو دیئے گئے مسیح کے خطابوں سے مشابہ ہیں اور ایسا ہی وہ واقعات جو بُدھ کو پیش آئے۔ مسیح کی زندگی کے واقعات سے ملتے ہیں مگر بُدھ مذہب سے مراد ان مقامات کا مذہب ہے جو تبت کی حدود یعنی لیہ اور لاسہ اور گلگت اور ہمس وغیرہ میں پایا جاتا ہے جن کی نسبت ثابت ہوا ہے کہ حضرت مسیح ان مقامات میں گئے تھے۔ خطابوں کی مشابہت میں یہ ثبوت کافی ہے کہ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی تعلیموں میں اپنا نام نور رکھا ہے۔ ایسا ہی گوتم کا نام بدھ رکھا گیا ہے جو سنسکرت میں نور کے معنوں پر آتا ہے اور انجیل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام اُستاد بھی ہے ایسا ہی بدھ کا نام ساستا یعنے استاد ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح کا نام انجیل میں مبارک رکھا گیا ہے اسی طرح بدھ کا نام بھی سُگت ہے یعنی مبارک ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح کا نام شاہزادہ رکھا گیا ہے اور بُدھ کا نام بھی شاہزادہ ہے۔ اور ایک نام مسیح کا انجیل میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آنے کا مدعا کو پورا کرنے والا ہے ایسا ہی بدھ کا نام بھی بُدھ کی کتابوں میں سدارتھا رکھا گیا ہے یعنے اپنے آنے کا مدعا پورا کرنیوالا۔ اور انجیل میں حضرت مسیح کا ایک نام یہ بھی ہے کہ وہ تھکے ماندوں کو پناہ دینے والا ہے۔ ایسا ہی بدھ کی کتابوں میں بُدھ کا نام ہے اَسَرن سرن یعنے بے پناہوں کو پناہ دینے والا۔ اور انجیل میں حضرت مسیح بادشاہ بھی کہلائے ہیں گو آسمان کی بادشاہت مُراد لی۔ ایسا ہی بُدھ بھی بادشاہ کہلایا ہے۔ اور واقعات کی مشابہت کا یہ ثبوت ہے کہ مثلاً جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام شیطان سے آزمائے گئے اور شیطان نے ان کو کہا کہ اگر تو مجھے سجدہ کرے تو تمام دنیا کی دولتیں اور بادشاہتیں تیرے لیے ہوں گی۔ یہی آزمائش بُدھ کی بھی کی گئی اور شیطان نے اس کو کہا کہ اگر تو میرا یہ حکم مان لے کہ ان فقیری کے کاموں سے باز آجائے اور گھر کی طرف چلا جائے تو مَیں تجھ کو بادشاہت کی شان و شوکت عطا کرونگا۔ لیکن جیسا کہ مسیح نے شیطان کی اطاعت نہ کی ایسا ہی لکھا ہے کہ بُدھ نے بھی نہ کی۔ دیکھو کتاب ٹی ڈبلیو رائس ڈیوڈس بدھازم[1]

---

[1] Buddhism by T. W. Rhys Davids Published by William & Norgage London 1891

اور کتاب مونیر ولیمس[1] بدھ ازم[*]۔

اب اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام انجیل میں کئی قسم کے خطاب اپنی طرف منسوب کرتے ہیں یہی خطاب بُدھ کی کتابوں میں جو اس سے بہت عرصہ پیچھے لکھی گئی ہیں بدھ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام شیطان سے آزمائے گئے ایسا ہی ان کتابوں میں بُدھ کی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ بھی شیطان سے آزمایا گیا بلکہ ان کتابوں میں اس سے زیادہ بدھ کی آزمائش کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ جب شیطان بدھ کو دولت اور بادشاہت کی طمع دے چکا تب بدھ کو خیال پیدا ہوا کہ کیوں اپنے گھر کی طرف واپس نہ جائے لیکن اس نے اس خیال کی پیروی نہ کی اور پھر ایک خاص رات میں وہی شیطان اس کو پھر ملا اور اپنی تمام ذریات ساتھ لایا اور ہیبت ناک صورتیں بنا کر اس کو ڈرایا اور بدھ کو وہ شیاطین سانپوں کی طرح نظر آئے جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور ان سانپوں نے زہر اور آگ اس کی طرف پھینکنی شروع کی لیکن زہر پھول بن جاتے تھے اور آگ بُدھ کے گرد ایک ہالہ بنا لیتی تھی۔ پھر جب اس طرح پر کامیابی نہ ہوئی تو شیطان نے اپنی سولہ لڑکیوں کو بلایا اور ان کو کہا کہ تم اپنی خوبصورتی بُدھ پر ظاہر کرو لیکن اس سے بھی بدھ کے دل کو تزلزل نہ ہوا اور شیطان اپنے ارادوں میں نامراد رہا اور شیطان نے اور اور طریقے بھی اختیار کیے مگر بدھ کے استقلال کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی اور بدھ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب کو طے کرتا گیا اور آخر کار ایک لمبی رات کے بعد یعنی سخت آزمائشوں اور دیرپا امتحانوں کے پیچھے بُدھ نے اپنے دشمن یعنی شیطان کو مغلوب کیا اور سچے علم کی روشنی اس پر کھل گئی اور صبح ہوتے ہی یعنی امتحان سے فراغت پاتے ہی اس کو تمام باتوں کا علم ہو گیا اور جس صبح کو یہ بڑی جنگ ختم ہوئی وہ بُدھ مذہب کی پیدائش کا دن تھا۔ اس وقت گوتم کی عمر پینتیس برس کی تھی اور اس وقت اس کو بدھ یعنی نور اور روشنی کا خطاب ملا۔ اور جس درخت کے نیچے وہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا وہ درخت نور کے درخت کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب انجیل کھول کر دیکھو کہ یہ شیطان کا امتحان جس سے بدھ کو آزمایا گیا کس قدر حضرت مسیح کے امتحان سے مشابہ ہے یہاں تک کہ امتحان کے وقت میں جو حضرت مسیح کی عمر تھی قریباً وہی بُدھ کی عمر تھی۔ اور جیسا کہ بُدھ کی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیطان درحقیقت انسان کی طرح مجسم ہو کر لوگوں کے دیکھتے ہوئے بُدھ کے پاس نہیں آیا بلکہ وہ ایک خاص نظارہ تھا جو بُدھ کی آنکھوں تک ہی محدود تھا اور شیطان کی گفتگو شیطانی الہام تھی یعنے شیطان اپنے نظارہ کے ساتھ بدھ کے دل میں یہ القا بھی کرتا کہ یہ طریق چھوڑ دینا چاہیے اور میرے حکم کی پیروی کرنی چاہیے میں تجھے دنیا کی تمام دولتیں

[1] Buddhism by Sir Monier Williams

[*] نیز دیکھو چائینیز بدھ ازم مصنفہ اڈکنس Chinese Buddhism by Edkins

بدھ مصنفہ اولڈن برگ مترجمہ ڈبلیو ہوئی۔ Buddha by Oldenberg Translated by W. Hoey London 1882

لائف آف بدھ ترجمہ راک ہل Life of Buddha, Translated by Rockhill

منہ

ویدوں گا۔ اسی طرح عیسائی محقق مانتے ہیں کہ شیطان جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا وہ بھی اسی طرح نہیں آیا تھا کہ یہودیوں کے سامنے انسانوں کی طرح اُن گلیوں کوچوں سے ہوکر اپنی مجسّم حالت میں گذرتا ہوا حضرت مسیح کو آملا ہو اور انسانوں کی طرح ایسی گفتگو کی ہو کہ حاضرین نے بھی سُنی ہو بلکہ یہ ملاقات بھی ایک کشفی رنگ میں ملاقات تھی جو حضرت مسیح کی آنکھوں تک محدود تھی اور باتیں بھی الہامی رنگ میں تھیں یعنے شیطان نے جیسا کہ اس کا قدیم سے طریق ہے اپنے ارادوں کو وسوسوں کے رنگ میں حضرت مسیح کے دل میں ڈالا تھا۔ مگر ان شیطانی الہامات کو حضرت مسیح کے دل نے قبول نہ کیا بلکہ بُدھ کی طرح انکو ردّ کیا۔

اب سوچنے کا مقام ہے کہ اس قدر مشابہت بُدھ میں اور حضرت مسیح میں کیوں پیدا ہوئی۔ اس مقام میں آریہ تو کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح نے اس سفر کے وقت جبکہ ہندوستان کی طرف انہوں نے سفر کیا تھا۔ بُدھ مذہب کی باتوں کو سُن کر اور بُدھ کے ایسے واقعات پر اطلاع پاکر اور پھر واپس اپنے وطن میں جاکر اسی کے موافق انجیل بنالی تھی۔ اور بدھ کے اخلاق میں سے چرا کر اخلاقی تعلیم لکھی تھی۔ اور جیسا کہ بُدھ نے اپنے تئیں نور کہا اور علم کہا اور دوسرے خطاب اپنے نفس کے لیے مقرر کیے وہی تمام خطاب مسیح نے اپنی طرف منسوب کر دیے تھے یہاں تک کہ وہ تمام قصہ بُدھ کا جس میں وہ شیطان سے آزمایا گیا۔ اپنا قصہ قرار دیدیا۔ لیکن یہ آریوں کی غلطی اور خیانت ہے۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ سے پہلے ہندوستان کی طرف آئے تھے اور نہ اس وقت کوئی ضرورت اس سفر کی پیش آئی تھی بلکہ یہ ضرورت اس وقت پیش آئی جبکہ بلادِ شام کے یہودیوں نے حضرت مسیح کو قبول نہ کیا اور ان کو اپنے زعم میں صلیب دیدیا جس سے خدائے تعالےٰ کی باریک حکمتِ عملی نے حضرت مسیح کو بچالیا۔ تب وہ اس ملک کے یہودیوں کے ساتھ حق تبلیغ اور ہمدردی ختم کر چکے اور بباعث اس بدی کے ان یہودیوں کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ وہ اس لائق نہ رہے کہ سچائی کو قبول کریں اس وقت حضرت مسیح نے خدا تعالےٰ سے یہ اطلاع پاکر کہ یہودیوں کے دس گمشدہ فرقے ہندوستان کی طرف آگئے ہیں ان ملکوں کی طرف قصد کیا۔ اور چونکہ ایک گروہ یہودیوں کا بُدھ مذہب میں داخل ہو چکا تھا اس لیے ضرور تھا کہ وہ نبی صادق بُدھ مذہب کے لوگوں کی طرف توجہ کرتا۔ سو اس وقت بُدھ مذہب کے عالموں کو جو مسیحا بُدھ کے منتظر تھے یہ موقع ملا کہ انہوں نے حضرت مسیح کے خطابات اور ان کی بعض اخلاقی تعلیمیں جیسا کہ یہ کہ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اور بدی کا مقابلہ نہ کرو" اور نیز حضرت مسیح کا بگوا یعنے گورا رنگ ہونا جیسا کہ گوتم بُدھ نے پیشگوئی میں بیان کیا تھا۔ یہ سب علامتیں دیکھ کر ان کو بُدھ قرار دیدیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح کے بعض واقعات اور خطابات اور تعلیمیں اسی زمانہ میں گوتم بُدھ کی طرف بھی عمداً یا سہواً منسوب کر دیئے گئے ہوں کیونکہ ہمیشہ ہندو تاریخ نویسی میں بہت کچے رہے ہیں۔ اور بُدھ کے واقعات حضرت مسیح کے زمانہ تک قلمبند نہیں ہوتے تھے اس لیے بُدھ کے عالموں کو بڑی گنجائش تھی کہ جو کچھ چاہیں بدھ کی طرف منسوب کر دیں۔ سو یہ قرین قیاس ہے کہ جب انہوں نے حضرت مسیح کے واقعات اور اخلاقی تعلیم سے اطلاع پائی تو ان امور کو اپنی طرف سے اور کئی باتیں ملا کر بُدھ کی طرف منسوب کر دیا ہو گا[1]۔ چنانچہ آگے چل کر ہم اس بات کا

---

[1] ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ بدھ مذہب میں قدیم سے ایک بڑا حصہ اخلاقی تعلیم کا موجود ہے۔ بقایا نوٹ صفحہ ۴۷ پر

ثبوت دیں گے کہ یہ اخلاقی تعلیم کا حصہ جو بُدھ مذہب کی کتابوں کے مطابق پایا جاتا ہے اور یہ خطابات نور وغیرہ جو مسیح کی طرح بُدھ کی نسبت لکھے ہوئے ثابت ہوتے ہیں اور ایسا ہی شیطان کا امتحان یہ سب اُمور اس وقت بُدھ مذہب کی پُستکوں میں لکھے گئے تھے جبکہ حضرت مسیح اس مُلک میں صلیبی تفرقہ کے بعد تشریف لائے تھے۔

اور پھر ایک اور مشابہت بُدھ کی حضرت مسیح سے پائی جاتی ہے کہ بُدھ ازم میں لکھا ہے کہ بُدھ اُن ایام میں جو شیطان سے آزمایا گیا روزے رکھتا تھا اور اس نے چالیس روزے رکھے اور انجیل پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت مسیح نے بھی چالیس روزے رکھے تھے۔

اور جیساکہ ابھی مَیں نے بیان کیا ہے بُدھ اور مسیح کی اخلاقی تعلیم میں اس قدر مشابہت اور مناسبت ہے کہ ہر ایک ایسا شخص تعجب کی نظر سے دیکھے گا جو دونوں تعلیموں پر اطلاع رکھتا ہو گا۔ مثلاً انجیلوں میں لکھا ہے کہ شر کا مقابلہ نہ کرو اور اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اور غربت کی زندگی بسر کرو اور تکبر اور جھوٹ اور لالچ سے پرہیز کرو اور یہی تعلیم بُدھ کی ہے۔ بلکہ اس میں اس سے زیادہ شدّ و مد ہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک جانور بلکہ کیڑوں مکوڑوں کے خون کو بھی گناہ میں داخل کیا ہے بُدھ کی تعلیم میں بڑی بات یہ بتلائی گئی ہے کہ تمام دنیا کی غمخواری اور ہمدردی کرو اور تمام انسانوں اور حیوانوں کی بہتری چاہو اور باہم اتفاق اور محبت پیدا کرو۔ اور یہی تعلیم انجیل کی ہے۔ اور پھر جیساکہ حضرت مسیح نے مختلف ملکوں کی طرف اپنے شاگردوں کو روانہ کیا اور آپ بھی ایک ملک کی طرف سفر اختیار کیا یہ باتیں بُدھ کے سوانح میں بھی پائی جاتی ہیں چنانچہ بُدھ ازم مصنفہ سر مونیر ولیم[1] میں لکھا ہے کہ بُدھ نے اپنے شاگردوں کو دنیا میں تبلیغ کے لیے بھیجا اور ان کو اس طرح پر خطاب کیا۔ "باہر جاؤ اور ہر طرف پھر نکلو اور دنیا کی غمخواری اور دیوتاؤں اور آدمیوں کی بہتری کے لیے ایک ایک ہو کر مختلف صورتوں میں نکل جاؤ اور یہ منادی کرو کہ کامل پرہیزگار ہو۔ پاک دل ہو۔ برہمچاری یعنے تنہا اور مجرد رہنے کی خصلت اختیار کرو" اور کہا کہ مَیں بھی اس مسئلہ کی منادی کے لیے جاتا ہوں" اور بُدھ بنارس کی طرف گیا اور اس طرف اس نے بہت معجزات دکھائے اور اس نے ایک نہایت مؤثر وعظ ایک پہاڑی پر کیا جیساکہ مسیح نے پہاڑی پر وعظ کیا تھا۔ اور پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ بُدھ اکثر مثالوں میں وعظ کیا کرتا تھا اور ظاہری چیزوں کو لیکر رُوحانی اُمور کو ان میں پیش کیا کرتا تھا۔

اب غور کرنا چاہیے کہ یہ اخلاقی تعلیم اور طریق وعظ یعنے مثالوں میں بیان کرنا یہ تمام طرز حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہے۔ جب ہم دوسرے قرائن کو اپنی نظر کے سامنے رکھ کر اس طرز تعلیم اور اخلاقی تعلیم کو دیکھتے ہیں تو معاً ہمارے دل میں گذرتا ہے کہ یہ سب باتیں حضرت مسیح کی تعلیم کی نقل ہیں جبکہ وہ اس ملک ہندوستان میں تشریف لائے اور جا بجا انہوں نے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۔ مگر ساتھ اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے وہ حصّہ جو بعینہٖ انجیل کی تعلیم اور انجیل کی مثالیں اور انجیل کی عبارتیں ہیں یہ حصّہ بلاشبہ اس وقت بدھ مذہب کی کتابوں میں ملایا گیا ہے جبکہ حضرت مسیح اس ملک میں پہنچے۔ منہ

[1] Buddhism by Sir Monier Williams

وعظ بھی کیے تو ان دنوں میں بُدھ مذہب والوں نے ان سے ملاقات کر کے اور ان کو صاحب برکات پا کر اپنی کتابوں میں یہ باتیں درج کر لیں بلکہ ان کو بُدھ قرار دیدیا کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جہاں کہیں عمدہ بات پاتا ہے ہر طرح کوشش کرتا ہے کہ اس عمدہ بات کو لے لے یہانتک کہ اگر کسی مجلس میں کوئی عمدہ نکتہ کسی کے مونہہ سے نکلتا ہے تو دوسرا اس کو یاد رکھتا ہے تو پھر یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ بُدھ مذہب والوں نے انجیلوں کا سارا نقشہ اپنی کتابوں میں کھینچ دیا ہے۔ مثلاً یہانتک کہ جیسے مسیح نے چالیس روزے رکھے ویسے ہی بُدھ نے بھی رکھے اور جیسا کہ مسیح شیطان سے آزمایا گیا ایسا ہی بُدھ بھی آزمایا گیا اور جیسا کہ مسیح بے پدر تھا ایسا ہی بُدھ بھی۔ اور جیسا کہ مسیح نے اخلاقی تعلیم بیان کی۔ ویسا ہی بُدھ نے بھی کی۔ اور جیسا کہ مسیح نے کہا کہ مَیں نور ہوں ویسا ہی بدھ نے بھی کہا۔ اور جیسا کہ مسیح نے اپنا نام استاد رکھا اور حواریوں کا نام شاگرد ایسا ہی بُدھ نے رکھا۔ اور جیسا کہ انجیل متی باب۱۰ آیت ۸ و ۹ میں ہے کہ سونا اور روپا اور تانبا اپنے پاس مت رکھو یہی حکم بدھ نے اپنے شاگردوں کو دیا۔ اور جیسا کہ انجیل میں مجرد رہنے کی ترغیب دی گئی ہے ایسا ہی بُدھ کی تعلیم میں ترغیب ہے اور جیسا کہ مسیح صلیب پر کھینچنے کے بعد زلزلہ آیا ایسا ہی لکھا ہے کہ بُدھ کے مرنے کے بعد زلزلہ آیا[1] پس اس تمام مطابقت کا اصل باعث یہی ہے کہ بُدھ مذہب والوں کی خوش قسمتی سے مسیح ہندوستان میں آیا اور ایک زمانہ دراز تک بُدھ مذہب والوں میں رہا اور اس کے سوانح اور اس کی پاک تعلیم پر انہوں نے خوب اطلاع پائی۔ لہٰذا یہ ضروری امر تھا کہ بہت سا حصہ اس تعلیم اور رسوم کا ان میں جاری ہو جاتا کیونکہ ان کی نگہ میں مسیح عزت کی نظر سے دیکھا گیا اور بدھ قرار دیا گیا۔ اس لیے ان لوگوں نے اس کی باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھا اور گوتم بدھ کی طرف منسوب کر دیا۔ بُدھ کا بعینہٖ حضرت مسیح کی طرح مثالوں میں اپنے شاگردوں کو سمجھانا خاص کر وہ مثالیں جو انجیل میں آچکی ہیں نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔ چنانچہ ایک مثال میں بُدھ کہتا ہے کہ ”جیسا کہ کسان بیج بوتا ہے اور وہ نہیں کہہ سکتا کہ دانہ آج پھوٹے گا اور کل نکلے گا ایسا ہی مرید کا حال ہوتا ہے یعنی وہ کچھ بھی رائے ظاہر نہیں کر سکتا کہ اس کا نشوونما اچھا ہوگا یا اس دانہ کی طرح ہوگا جو پتھریلی زمین میں ڈالا جائے اور خشک ہو جائے۔“ دیکھو بعینہٖ یہ وہی مثال ہے جو انجیل میں اب تک موجود ہے۔ اور پھر بدھ ایک اور مثال دیتا ہے کہ ایک ہرنوں کا گلہ جنگل میں خوشحال ہوتا ہے۔ تب ایک آدمی آتا ہے اور فریب سے وہ راہ کھولتا ہے جو ان کی موت کا راہ ہے یعنے کوشش کرتا ہے کہ ایسی راہ چلیں جس سے آخر پھنس جائیں اور موت کا شکار ہو جائیں اور دوسرا آدمی آتا ہے اور وہ اچھا راہ کھولتا ہے۔ یعنی وہ کھیت بوتا ہے تا اس میں سے کھائیں وہ نہر لاتا ہے تا اس میں سے پیویں اور خوشحال ہو جائیں ایسا ہی آدمیوں کا حال ہے وہ خوشحالی میں ہوتے ہیں شیطان آتا ہے اور بدی کی آٹھ راہیں ان پر کھول دیتا ہے تا ہلاک ہوں۔ تب کامل انسان آتا ہے اور حق اور یقین اور سلامتی کی بھری ہوئی آٹھ راہیں ان پر کھول دیتا ہے تا وہ بچ جائیں۔“ بُدھ کی تعلیم میں یہ بھی ہے کہ پرہیزگاری وہ محفوظ خزانہ ہے جس کو کوئی چرا نہیں سکتا۔ وہ ایسا خزانہ ہے

---

[1] نوٹ: جیسا کہ عیسائیوں میں عشاء ربانی ہے ایسا ہی بُدھ مذہب والوں میں بھی ہے۔ منہ

کہ موت کے بعد بھی انسان کے ساتھ جاتا ہے۔ وہ ایسا خزانہ ہے جس کے سرمایہ سے تمام علوم اور تمام کمال پیدا ہوتے ہیں۔

اب دیکھو کہ بعینہٖ یہ انجیل کی تعلیم ہے اور یہ باتیں بُدھ مذہب کی اُن پرانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے بلکہ وہی زمانہ ہے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۵ میں ہے کہ بُدھ کہتا ہے کہ میں ایسا ہوں کہ کوئی مجھ پر داغ نہیں لگا سکتا۔ یہ فقرہ بھی حضرت مسیح کے قول سے مشابہ ہے۔ اور بدھ ازم کی کتاب کے صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے کہ بُدھ کی اخلاقی تعلیم اور عیسائیوں کی اخلاقی تعلیم میں بڑی بھاری مشابہت ہے۔" میں اس کو مانتا ہوں میں یہ مانتا ہوں کہ وہ دونوں ہمیں بتاتی ہیں کہ دنیا سے محبت نہ کرو۔ روپیہ سے محبت نہ کرو۔ دشمنوں سے دشمنی مت کرو۔ بُرے اور ناپاک کام مت کرو۔ بدی پر نیکی کے ذریعہ سے غالب آؤ۔ اور دوسروں سے وہ سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ وے تم سے کریں۔ یہ اس قدر انجیلی تعلیم اور بُدھ کی تعلیم میں مشابہت ہے کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

بُدھ مذہب کی کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گوتم بُدھ نے ایک اور آنے والے بُدھ کی نسبت پیشگوئی کی تھی جس کا نام **متیّا** بیان کیا تھا۔ یہ پیشگوئی بُدھ کی کتاب لگّادتّی سُتّنا میں ہے جس کا حوالہ کتاب اولڈن برگ[1] صفحہ ۱۴۲ میں دیا گیا ہے۔ اس پیشگوئی کی عبارت یہ ہے کہ متیّا لاکھوں مریدوں کا پیشوا ہوگا جیسا کہ میں اب سینکڑوں کا ہوں۔" اس جگہ یاد رہے کہ جو لفظ عبرانی میں مشیحا ہے وہی پالی زبان میں متیّا کر کے بولا گیا ہے۔ یہ تو ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں آتا ہے تو اس میں کچھ تغیّر ہو جاتا ہے چنانچہ انگریزی لفظ بھی دوسری زبان میں آکر تغیر پا جاتا ہے جیسا کہ نظیر کے طور پر میکسمولر[2] صاحب ایک فہرست میں جو کتاب سیکرڈ آف دی ایسٹ جلد ۱۱[3] کے ساتھ شامل کی گئی ہے صفحہ ۳۱۸ میں لکھتا ہے۔ کہ ٹی ایچ انگریزی زبان کا جو تھ کی آواز رکھتا ہے فارسی اور عربی زبانوں میں ث ہو جاتا ہے یعنے پڑھنے میں ث یا س کی آواز دیتا ہے۔ سو ان تغیرات پر نظر رکھ کر ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ میسحا کا لفظ پالی زبان میں آکر متیّا بن گیا یعنے وہ آنے والا متیّا جس کی بُدھ نے پیشگوئی بھی کی تھی وہ درحقیقت مسیح ہے اور کوئی نہیں اس بات پر بڑا پختہ قرینہ یہ ہے کہ بُدھ نے یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ جس مذہب کی اس نے بنیاد رکھی ہے وہ زمین پر پانچ سو برس سے زیادہ قائم نہیں رہیگا۔ اور جس وقت ان تعلیموں اور اصولوں کا زوال ہوگا۔ تب متیّا اس ملک میں آکر دوبارہ ان اخلاقی تعلیموں کو دنیا میں قائم کرے گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح پانسو برس بعد بُدھ کے ہوئے ہیں اور جیسا کہ بُدھ نے اپنے مذہب کے زوال کی مدت مقرر کی تھی۔ ایسا ہی اس وقت بُدھ کا مذہب زوال کی حالت میں تھا۔ تب حضرت مسیح نے صلیب کے واقعہ سے نجات پا کر اس ملک کی طرف سفر کیا اور بُدھ مذہب والے ان کو شناخت کر کے بڑی تعظیم سے پیش آئے۔ اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا کہ وہ اخلاقی تعلیمیں اور وہ روحانی طریقے جو بُدھ نے قائم کیے تھے حضرت مسیح کی،

---

[1] ULDENBERG [2] MAXMULLER

[3] SACRED BOOKS OF THE EAST VOL 11

تعلیم نے دوبارہ دنیا میں ان کو جنم دیا۔ عیسائی مورخ اس بات کو مانتے ہیں کہ انجیل کی پہاڑی تعلیم اور دوسرے حصّوں کی تعلیم جو اخلاقی امور پر مبنی ہے یہ تمام تعلیم وہی ہے جس کو گوتم بدھ حضرت مسیح سے پانسو برس پہلے دنیا میں رائج کر چکا تھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بدھ صرف اخلاقی تعلیموں کا سکھلانے والا نہیں تھا بلکہ وہ اور بھی بڑی بڑی سچائیوں کا سکھلانے والا اوران کی رائے میں بدھ کا نام جو ایشیا کا نور رکھا گیا وہ بہت مناسب ہے۔ اب بدھ کی پیشگوئی کے موافق حضرت مسیح پانسو برس کے بعد ظاہر ہوئے اور حسب اقرار اکثر علمائے عیسائیوں کے ان کی اخلاقی تعلیم بعینہٖ بدھ کی تعلیم تھی تو اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ وہ بدھ کے رنگ پر ظہور فرما ہوئے تھے اور کتاب اولڈن برگ[۱] میں بحوالہ بدھ کی کتاب لکادتی ستّا کے لکھا ہے کہ بدھ کے معتقد آئندہ زمانہ کی امید پر ہمیشہ اپنے تئیں تسلّی دیتے تھے کہ وہ متیّا کے شاگرد بن کر نجات کی خوشحالی حاصل کریں گے یعنی ان کو یقین تھا کہ متیّا ان میں آئے گا اور وہ اس کے ذریعہ نجات پائیں گے۔ کیونکہ جن لفظوں میں بدھ نے ان کو متیّا کی امید دی تھی وہ لفظ صریح دلالت کرتے تھے کہ ان کے شاگرد متیّا کو پائیں گے۔ اب کتاب مذکور کے اس بیان سے بخوبی یہ بات دلی یقین کو پیدا کرتی ہے کہ خدا نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے دونوں طرف سے اسباب پیدا کر دیئے تھے یعنی ایک طرف تو حضرت مسیح بوجہ اپنے اس نام کے جو پیدائش باب ۳۰ آیت ۱۰ سے سمجھا جاتا ہے یعنی آسف جس کا ترجمہ ہے جماعت کو اکٹھا کرنے والا یہ ضروری تھا کہ اس ملک کی طرف آتے جس میں یہودی آکر آباد ہوتے تھے اور دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ حسب منشاء بدھ کی پیشگوئی کے بدھ کے معتقد آپ کو دیکھتے اور آپ سے فیض اٹھاتے۔ سو ان دونوں باتوں کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے یقیناً سمجھ میں آتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام تبت کی طرف تشریف لے گئے تھے اور خود جس قدر تبت کے مذہب میں عیسائی تعلیم اور رسوم دخل کر گئے ہیں اس قدر گہرا دخل اس بات کو چاہتا ہے کہ حضرت مسیح ان لوگوں کو ملے ہوں اور بدھ مذہب کے سرگرم مریدوں کا اُن کی ملاقات کے لیے ہمیشہ منتظر ہونا جیساکہ بدھ کی کتابوں میں اب تک لکھا ہوا موجود ہے بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ یہ انتظار شدید حضرت مسیح کے ان کے اس ملک میں آنے کے لیے پیش خیمہ تھا۔ اور دونوں امور متذکرہ بالا کے بعد کسی منصف مزاج کو اس بات کی حاجت نہیں رہتی کہ وہ بدھ مذہب کی ایسی کتابوں کو تلاش کرے جن میں لکھا ہوا ہو کہ حضرت مسیح تبت کے ملک میں آئے تھے کیونکہ جبکہ بدھ کی پیشگوئی کے مطابق آنے کی انتظار شدید تھی تو وہ پیشگوئی اپنی کشش سے حضرت مسیح کو ضرور تبت کی طرف کھینچ لائی ہوگی۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ متیّا کا نام جو بدھ کی کتابوں میں جابجا مذکور ہے بلاشبہ وہ میسحا ہے کتاب تبت[۲] تاتار منگولیا بائی ایچ ٹی پرنسب کے صفحہ ۱۴ میں متیّا بدھ کی نسبت جو دراصل میسحا ہے یہ لکھا ہے کہ جو حالات ان پہلے مشنریوں (عیسائی واعظوں) نے تبت میں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں

---

[۱] Oldenberg

[۲] Tibet, Tartary & Mongolia by H. T. Princep P. 14

سے سُننے اُن حالات پر غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ لاموں کی قدیم کتب میں عیسائی مذہب کے آثار موجود ہیں۔ اور پھر اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ متقدین یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کے حواری ابھی زندہ ہی تھے کہ جبکہ عیسائی دین کی تبلیغ اس جگہ پہنچ گئی تھی اور پھر ۱۷ صفحہ میں لکھا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت عام انتظار ایک بڑے منجی کے پیدا ہونے کی لگ رہی تھی جس کا ذکر ٹےسےٹس[1] نے اس طرح پر کیا ہے۔ کہ اس انتظار کا مدار نہ صرف یہودی تھے بلکہ خود بُدھ مذہب نے ہی اس انتظار کی بنیاد ڈالی تھی۔ یعنی اس ملک میں متیا کے آنے کی پیشگوئی کی تھی اور پھر اس کتاب انگریزی پر مصنف نے ایک نوٹ لکھا ہے اس کی یہ عبارت ہے۔ کتاب پتاکتیان اور اتھاکتھا میں ایک اور بُدھ کے نزول کی پیشگوئی بڑی واضح طور پر درج ہے جس کا ظہور گوتم یا ساکھی مُنی سے ایک ہزار سال بعد لکھا گیا ہے۔[2] گوتما بیان کرتا ہے کہ میں پچیسواں بُدھ ہوں اور بگوا متیا نے ابھی آنا ہے۔ یعنے میرے بعد وہ اس ملک میں آئے گا۔ جس کا نام متیا ہوگا اور وہ سفید رنگ ہوگا۔ پھر آگے وہ انگریز مصنف لکھتا ہے کہ متیا کے نام کو مسیحا سے حیرت انگیز مشابہت ہے۔ غرض اس پیشگوئی میں گوتم بُدھ نے صاف طور پر اقرار کر دیا ہے کہ اس کے ملک میں اور اس کی قوم میں اور اس پر ایمان لانیوالوں میں مسیحا آنے والا ہے یہی وجہ تھی کہ اس کے مذہب کے لوگ ہمیشہ اس انتظار میں تھے کہ ان کے ملک میں مسیحا آئے گا۔ اور بُدھ نے اپنی پیشگوئی میں اس آنیوالے بُدھ کا نام بگوا متیا اس لیے رکھا کہ بگوا سنسکرت زبان میں سفید کو کہتے ہیں اور حضرت مسیح چونکہ بلاد شام کے رہنے والے تھے اس لیے وہ بگوا یعنے سفید رنگ تھے۔ جس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی یعنے مگدھ کا ملک جہاں راجہ گرہیا واقع تھا اس ملک کے لوگ سیاہ رنگ تھے اور گوتم بُدھ خود سیاہ رنگ تھا اس لیے بُدھ نے آنے والے بُدھ کی قطعی علامت ظاہر کرنے کے لیے دو باتیں اپنے مریدوں کو بتلائی تھیں ایک یہ کہ وہ بگوا ہوگا دوسرے یہ کہ وہ متیا ہوگا یعنی سیر کرنے والا ہوگا اور باہر سے آئے گا۔ سو ہمیشہ وہ لوگ انہی علامتوں کے منتظر تھے جبتک کہ انہوں نے حضرت مسیح کو دیکھ لیا۔ یہ عقیدہ ضروری طور پر ہر ایک بُدھ مذہب والے کا ہونا چاہیے کہ بُدھ سے پانسو برس بعد بگوا متیا ان کے ملک میں ظاہر ہوا تھا۔ سو اس عقیدہ کی تائید میں کچھ تعجب نہیں ہے کہ بُدھ مذہب کی بعض کتابوں میں متیا یعنی مسیحا کا ان کے ملک میں آنا اور اس طرح پر پیشگوئی کا پورا ہو جانا لکھا ہوا ہو۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ لکھا ہوا نہیں ہے تب بھی جبکہ بُدھ نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر اپنے شاگردوں کو یہ امید دی تھی کہ بگوا متیا ان کے ملک میں آئے گا۔ اس بناء پر کوئی بُدھ مت والا جو اس پیشگوئی پر اطلاع رکھتا ہو اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ بگوا متیا جس کا دوسرا نام مسیحا ہے اس ملک میں آیا تھا۔ کیونکہ پیشگوئی کا باطل ہونا مذہب کو باطل کرتا ہے۔ اور ایسی پیشگوئی جس کی میعاد بھی مقرر تھی اور گوتم بُدھ نے بار بار اس پیشگوئی کو اپنے مریدوں کے پاس بیان کیا تھا۔ اگر وہ اپنے وقت پر پوری نہ ہوتی تو بُدھ کی جماعت گوتم بُدھ کی

---

[1] TACITUS

[2] ایک ہزار و پانچہزار والی میعادیں غلط ہیں۔ منہ

سچائی کی نسبت شبہ میں پڑجاتی اور کتابوں میں یہ بات لکھی جاتی کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر ہمیں ایک اور دلیل یہ ملتی ہے کہ تبت میں ساتویں صدی عیسوی کی وہ کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جن میں مشیح کا لفظ موجود ہے یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام لکھا ہے اور اس لفظ کو می شی ھُو کر کے ادا کیا ہے اور وہ فہرست جس میں می شی ہو پایا گیا ہے اس کا مرتب کرنیوالا ایک بُدھ مذہب کا آدمی ہے۔ دیکھو کتاب لے ریکارڈ آف دی بُدھسٹ ریلیجن مصنفہ آئی سنگ مترجم جی ٹکاکوسُو۔ اور جی ٹکاکوسو ایک جاپانی شخص ہے جس نے آئی سنگ کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اور آئی سنگ ایک چینی سیّاح ہے جس کی کتاب کے حاشیہ پر اور ضمیمہ میں ٹکاکوسو نے تحریر کیا ہے کہ ایک قدیم تالیف میں می شی ہُو (مسیح) کا نام درج ہے اور یہ تالیف قریبًا ساتویں صدی کی ہے ...... اور پھر اس کا ترجمہ حال میں ہی کلیرنڈن پریس آکسفورڈ میں جی ٹکاکوسو نام ایک جاپانی نے کیا۔ غرض اس کتاب میں مشیح کا لفظ موجود ہے جس سے ہم یہ یقین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لفظ بُدھ مذہب والوں کے پاس باہر سے نہیں آیا بلکہ بُدھ کی پیشگوئی سے یہ لفظ لیا گیا ہے جس کو کبھی اُنہوں نے مِتّیہ کر کے لکھا اور کبھی بگوا متّیا کر کے۔

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو بُدھ مذہب کی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں ایک یہ ہے کہ بُدھ ازم مصنفہ سر مونیر ولیم صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے کہ چھٹا مرید بُدھ کا ایک شخص تھا جس کا نام لیسا تھا یہ لفظ یسوع کے لفظ کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بُدھ کی وفات سے پانچسو برس گذرنے کے بعد یعنی چھٹی صدی میں پیدا ہوئے تھے اس لیے چھٹا مرید کہلائے۔ یاد رہے کہ پروفیسر میکسمولر اپنے رسالہ نائن ٹینتھ سنچری اکتوبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۵۱۵ سے میں گذشتہ بالا مضمون کی ان الفاظ سے تائید کرتے ہیں کہ یہ خیال کئی دفعہ ہر دل عزیز مصنفوں نے پیش کیا ہے کہ مسیح پر بُدھ مذہب کے اصُولوں نے اثر ڈالا تھا اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ آجتک اس وقت کے حل کرنے کے لیے کوشش ہو رہی ہے۔ کہ کوئی ایسا سچا تاریخی راستہ معلوم ہو جائے جس کے ذریعہ سے بُدھ مذہب مسیح کے زمانہ میں فلسطین میں پہنچ سکا ہو۔" اب اس عبارت سے بُدھ مذہب کی اُن کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے جن میں لکھا ہے کہ لیسا بُدھ کا مُرید تھا۔ کیونکہ جبکہ ایسے بڑے درجہ کے عیسائیوں نے جیسا کہ پروفیسر میکسمولر ہیں اس بات کو مان لیا ہے کہ حضرت مسیح کے دل پر بُدھ مذہب کے اصولوں کا ضرور اثر پڑا تھا تو دوسرے لفظوں میں اسی کا نام مُرید ہونا ہے مگر ہم ایسے الفاظ کو حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں ایک گستاخی اور ترک ادب خیال کرتے ہیں۔ اور بُدھ مذہب کی کتابوں میں جو یہ لکھا گیا کہ یسوع بُدھ کا مرید یا شاگرد تھا تو یہ تحریر اس قوم کے علماء کی ایک پرانی

---

لے۔ A Record of the Buddhist Religion by I. Tsing
Translated by J. Takakasu

لے۔ دیکھو صفحہ ۱۶۹ و ۲۲۳ کتاب ہذا۔ منہ Clarendon Press Oxford

سے۔ Ninteenth Century, London, October 1894
(British Museum)

عادت کے موافق ہے کہ وہ پیچھے آنے والے صاحبِ کمال کو گذشتہ صاحب کمال کا مرید خیال کر لیتے ہیں۔ علاوہ اس کے جبکہ حضرت مسیح کی تعلیم اور بُدھ کی تعلیم میں نہایت شدید مشابہت ہے جیسا کہ بیان ہو چکا تو پھر اس لحاظ سے کہ بُدھ حضرت مسیح سے پہلے گذر چکا ہے۔ بُدھ اور حضرت مسیح میں پیری اور مریدی کا رابطہ دینا بے جا خیال نہیں ہے گو طریق ادب سے دُور ہے۔ لیکن ہم یورپ کے محققوں کی اس طرز تحقیق کو ہرگز پسند نہیں کر سکتے کہ وہ اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ کسی طرح یہ پتہ لگ جائے کہ بُدھ مذہب مسیح کے زمانہ میں فلسطین میں پہنچ گیا تھا۔ مجھے افسوس آتا ہے کہ جس حالت میں بُدھ مذہب کی پرانی کتابوں میں حضرت مسیح کا نام اور ذکر موجود ہے تو کیوں یہ محقق ایسی ٹیڑھی راہ اختیار کرتے ہیں کہ فلسطین میں بُدھ مذہب کا نشان ڈھونڈتے ہیں اور کیوں وہ حضرت مسیح کے قدم مبارک کو نیپال اور تبت اور کشمیر کے پہاڑوں میں تلاش نہیں کرتے لیکن میں جانتا ہوں کہ اتنی بڑی سچائی کو ہزاروں تاریک پردوں میں سے پیدا کرنا ان کا کام نہیں تھا بلکہ یہ اس خدا کا کام تھا جس نے آسمان سے دیکھا کہ مخلوق پرستی حد سے زیادہ زمین پر پھیل گئی اور صلیب پرستی اور انسان کے ایک فرضی خون کی پرستش نے کروڑ ہا دلوں کو سچے خدا سے دُور کر دیا۔ تب اس کی غیرت نے ان عقائد کے توڑنے کے لیے جو صلیب پر مبنی تھے ایک کو اپنے بندوں میں سے دنیا میں مسیح ناصری کے نام پر بھیجا۔ اور وہ جیسا کہ قدیم سے وعدہ تھا مسیح موعود ہو کر ظاہر ہوا۔ تب کسر صلیب کا وقت آگیا۔ یعنی وہ وقت کہ صلیبی عقائد کی غلطی کو ایسی صفائی سے ظاہر کر دینا جیسا کہ ایک لکڑی کو دو ٹکڑے کر دیا جائے۔ سو اب آسمان نے کسر صلیب کی ساری راہ کھول دی تا وہ شخص جو سچائی کا طالب ہے اب اُٹھے اور تلاش کرے۔ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا گو ایک غلطی تھی تب بھی اس میں ایک راز تھا اور وہ یہ کہ جو مسیحی سوانح کی حقیقت گم ہو گئی تھی اور ایسی نابود ہو گئی تھی جیسا کہ قبر میں مٹی ایک جسم کو کھا لیتی ہے وہ حقیقت آسمان پر ایک وجود رکھتی تھی اور ایک مجسم انسان کی طرح آسمان میں موجود تھی اور ضرور تھا کہ آخری زمانہ میں وہ حقیقت پھر نازل ہو۔ سو وہ حقیقت مسیحیہ ایک مجسم انسان کی طرح اب نازل ہوئی اور اس نے صلیب کو توڑا اور دروغگوئی اور ناحق پرستی کی بُری خصلتیں جنکو ہمارے پاک نبی نے صلیب کی حدیث میں خنزیر سے تشبیہ دی ہے۔ صلیب کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ایسی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں جیسا کہ ایک خنزیر تلوار سے کاٹا جاتا ہے۔ اس حدیث کے یہ معنے صحیح نہیں ہیں کہ مسیح موعود کافروں کو قتل کرے گا اور صلیبوں کو توڑیگا بلکہ صلیب توڑنے سے مراد یہ ہے کہ اس زمانہ میں آسمان اور زمین کا خدا ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ظاہر کر دیگا کہ جس سے تمام صلیبی عمارت یکدفعہ ٹوٹ جاۓ گی اور خنزیروں کے قتل کرنے سے نہ انسان مراد ہیں نہ خنزیر بلکہ خنزیروں کی عادتیں مراد ہیں یعنی جھوٹ پر ضد کرنا اور بار بار اس کو پیش کرنا جو ایک قسم کی نجاست خوری ہے پس جس طرح مرا ہوا خنزیر نجاست نہیں کھا سکتا اسی طرح وہ زمانہ آتا ہے بلکہ آگیا کہ بُری خصلتیں اس قسم کی نجاست خوری سے رُک جائیں گی۔ اسلام کے علماء نے اس نبوی پیشگوئی کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور اصل معنے صلیب توڑنے اور خنزیر قتل کرنے کے یہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں یہ بھی تو لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور آسمان سے ایسی روشن سچائیاں ظاہر ہو جائیں گی کہ حق اور باطل میں ایک روشن تمیز دکھلا دیں گی پس یہ خیال مت کرو کہ میں تلوار چلانے آیا ہوں۔ نہیں بلکہ تمام تلواروں کو

میان میں کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ دُنیا نے بہت کچھ اندھیرے میں کُشتی کی۔ بہتوں نے اپنے سچّے خیر خواہوں پر عربدے چلائے اور اپنے دردمند دوستوں کے دلوں کو دُکھایا اور عزیزوں کو زخمی کیا۔ مگر اب اندھیرا نہیں رہے گا۔ رات گذری دن چڑھا۔ اور مبارک وہ جو اَب محروم نہ رہے!!

اور منجملہ ان شہادتوں کے جو بُدھ مذہب کی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں وہ شہادت ہے جو کتاب بُدھ ازم؎ مصنفہ اولڈن برگ صفحہ ۴۱۹ میں درج ہے۔ اس کتاب میں بحوالہ کتاب مہاواگا صفحہ ۵۴ فصل نمبرا کے لکھا ہے کہ بُدھ کا ایک جانشین راحولتا نام بھی گذرا ہے کہ جو اس کا جانثار شاگرد بلکہ بیٹا تھا۔ اب اس جگہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ راحولتا جو بُدھ مذہب کی کتابوں میں آیا ہے یہ رُوح اللہ کے نام کا بگاڑا ہوا ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام ہے اور یہ قصہ کہ یہ راحولتا بُدھ کا بیٹا تھا جس کو وہ شیر خوارگی کی حالت میں چھوڑ کر پردیس میں چلا گیا تھا۔ اور نیز اپنی بیوی کو سوتی ہوئی چھوڑ کر بغیر اس کی اطلاع اور ملاقات کے ہمیشہ کی جدائی کی نیت سے کسی اور ملک میں بھاگ گیا تھا یہ قصہ بالکل بیہودہ اور لغو اور بُدھ کی شان کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ ایسا سخت دل اور ظالم طبع انسان جس نے اپنی عاجز عورت پر کچھ رحم نہ کیا اور اس کو سوتے ہوئے چھوڑ کر بغیر اس کے کہ اس کو کسی قسم کی تسلی دیتا یونہی چوروں کی طرح بھاگ گیا اور زوجیت کے حقوق کو قطعاً فراموش کر دیا نہ اسے طلاق دی اور نہ اس سے اس قدر نا پیدا کنار سفر کی اجازت لی اور یکدفعہ غائب ہو جانے سے اس کے دل کو سخت صدمہ پہنچایا اور سخت ایذا دی اور پھر ایک خط بھی اس کی طرف روانہ نہ کیا یہاں تک کہ بیٹا جوان ہو گیا اور نہ بیٹے کے ایام شیر خوارگی پر رحم کیا۔ ایسا شخص کبھی راستباز نہیں ہو سکتا جس نے اپنی اس اخلاقی تعلیم کا بھی کچھ پاس نہ کیا جس کو وہ اپنے شاگردوں کو سکھلاتا تھا۔ ہمارا کانشنس اس کو ایسا ہی قبول نہیں کر سکتا جیسا کہ انجیلوں کے اس قصہ کو کہ مسیح نے ایک مرتبہ ماں کے آنے اور اس کے بلانے کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی تھی بلکہ ایسے الفاظ منہ پر لایا تھا جس میں ماں کی بے عزتی تھی۔ پس اگرچہ بیوی اور ماں کی دل شکنی کرنے کے دونوں قصے بھی باہم ایک گونہ مشابہت رکھتے ہیں لیکن ہم ایسے قصے جو عام اخلاقی حالت سے بھی گرے ہوئے ہیں نہ مسیح کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور نہ گوتم بُدھ کی طرف۔ اگر بُدھ کو اپنی عورت سے محبت نہیں تھی تو کیا اس عاجز عورت اور شیر خوار بچہ پر رحم بھی نہیں تھا۔ یہ ایسی بد اخلاقی ہے کہ صدہا برس کے گذشتہ رفتہ قصے کو سُنکر اب ہمیں درد پہنچ رہا ہے۔ کہ کیوں اس نے ایسا کیا۔ انسان کی بدی کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنی عورت کی ہمدردی سے لاپرواہ ہو۔ بجز اس صورت کے کہ وہ عورت نیک چلن اور تابع حکم نہ رہے اور یا بیدین اور بدخواہ اور دشمن جان ہو جائے۔ سو ہم ایسی گندی کارروائی بُدھ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جو خود اس کی نصیحتوں کے بھی برخلاف ہے لہٰذا اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ غلط ہے اور درحقیقت راحولتا سے مُراد حضرت عیسٰی ہیں جن کا نام رُوح اللہ ہے۔ اور رُوح اللہ کا لفظ عبرانی زبان میں راحولتا سے بہت مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور راحولتا یعنی روح اللہ

؎ Buddha by Oldenberg Translated by W. Hoey London 1882

کو بُدھ کا شاگرد اسی وجہ سے قرار دیا گیا ہے جس کا ذکر ابھی ہم کر چکے ہیں یعنی مسیح جو بعد میں آ کر بُدھ کے مشابہ تعلیم لایا اس لیے بُدھ مذہب کے لوگوں نے اس تعلیم کا اصل منبع بُدھ کو قرار دے کر مسیح کو اس کا شاگرد قرار دیدیا اور کچھ تعجب نہیں کہ بُدھ نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر حضرت مسیح کو اپنا بیٹا قرار دیا ہو۔ اور ایک بڑا قرینہ اس جگہ یہ ہے کہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب راحولتا کو اُس کی والدہ سے علیحدہ کیا گیا تو ایک عورت جو بُدھ کی مُرید تھی جس کا نام مگدالیانا تھا اس کام کے لیے درمیان میں ایلچی بنی تھی۔ اب دیکھو مگدالیانا کا نام درحقیقت مگدلینی سے بگاڑا ہوا ہے۔ اور مگدلینی ایک عورت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مُرید تھی جس کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔

یہ تمام شہادتیں جن کو ہم نے مجملاً لکھا ہے ہر ایک منصف کو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہیں کہ ضرور حضرت عیسٰی علیہ السلام اس ملک میں تشریف لائے تھے اور قطع نظر ان تمام روشن شہادتوں کے بدھ مذہب اور عیسائی مذہب میں تعلیم اور رسوم کے لحاظ سے جس قدر باہمی تعلقات ہیں بالخصوص تبت کے حصّہ میں یہ امر ایسا نہیں ہے کہ ایک دانشمند سہل انگاری سے اس کو دیکھے بلکہ یہ مشابہت یہاں تک حیرت انگیز ہے کہ اکثر محقق عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ بُدھ مذہب مشرق کا عیسائی مذہب ہے اور عیسائی مذہب کو مغرب کا عیسائی مذہب کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو کس قدر عجیب بات ہے کہ جیسے مسیح نے کہا کہ مَیں نور ہوں راہ ہدایت ہوں یہی بُدھ نے بھی کہا ہے اور انجیلوں میں مسیح کا نام نجات دہندہ ہے بُدھ نے بھی اپنا نام منجی ظاہر کیا ہے دیکھو للتا وسترا۔ اور انجیل میں مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے بیان کی گئی ہے ایسا ہی بُدھ کے سوانح میں ہے کہ دراصل وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا۔ گو بظاہر حضرت مسیح کے باپ یوسف کی طرح اس کا بھی باپ تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ بُدھ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نکلا تھا اور سلیمان کا قصّہ جو اس نے حکم دیا تھا کہ اس بچے کو آدھا آدھا کر کے ان دونوں عورتوں کو دو کر دے لیں۔ یہ قصّہ بُدھ کی جاتکا میں بھی پایا جاتا ہے اس سے سمجھ آتا ہے کہ علاوہ اُس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس ملک میں تشریف لائے اس ملک کے یہود جو اس ملک میں آ گئے تھے ان کے تعلقات بھی بُدھ مذہب سے ہو گئے تھے اور بُدھ مذہب کی کتابوں میں جو طریق پیدائش دنیا لکھا ہے وہ بھی توریت کے بیان سے بہت ملتا ہے اور جیسا کہ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت ہے ایسا ہی بُدھ مذہب کے رُو سے ایک جوگی مرد ایک جوگی عورت سے درجہ میں زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ ہاں بُدھ تناسخ کا قائل ہے مگر اس کا تناسخ انجیل کی تعلیم سے مخالف نہیں ہے۔ اس کے نزدیک تناسخ تین قسم پر ہے (۱) اوّل یہ کہ ایک مرنے والے شخص کی عقد ہمت اور اعمال کا نتیجہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک ادنیٰ جسم پیدا ہو۔ (۲) دوسری وہ قسم جس کو تبت والوں نے اپنے لاموں میں مانا ہے۔ یعنی یہ کہ کسی بدھ یا بدھ ستوا کی رُوح کا کوئی حصّہ موجود لاموں میں حلول کر آتا ہے یعنی اس کی قوت اور طبیعت اور رُوحانی خاصیت موجود لامہ میں آ جاتی ہے اور اس کی رُوح اس میں اثر کرنے لگتی ہے۔ (۳) تیسری قسم تناسخ کی یہ ہے کہ اسی زندگی میں طرح طرح کی پیدائشوں میں انسان گذرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ درحقیقت اپنے ذاتی خواص کے لحاظ سے انسان بن جاتا ہے۔ ایک زمانہ انسان پر وہ آتا ہے کہ گویا وہ بیل ہوتا ہے اور پھر زیادہ

حرص اور کچھ شرارت بڑھتی ہے تو کتا بن جاتا ہے اور ایک ہستی پر موت آتی ہے اور دوسری ہستی پہلی ہستی کے اعمال کے موافق پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ سب تغیرات اسی زندگی میں ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ عقیدہ بھی انجیل کی تعلیم کے مخالف نہیں ہے۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ بُدھ شیطان کا بھی قائل ہے۔ ایسا ہی دوزخ اور بہشت اور ملائک اور قیامت کو بھی مانتا ہے اور یہ الزام جو بُدھ خدا کا منکر ہے یہ محض افترا ہے بلکہ بُدھ وید انت کا منکر ہے اور ان جسمانی خداؤں کا منکر ہے جو ہندو مذہب میں بنائے گئے تھے۔ ہاں وہ وید پر بہت نکتہ چینی کرتا ہے اور موجودہ وید کو صحیح نہیں مانتا اور اس کو ایک بگڑی ہوئی اور محرف اور مبدل کتاب خیال کرتا ہے اور جس زمانہ میں وہ ہندو اور وید کا تابع تھا اس زمانہ کی پیدائش کو ایک بُری پیدائش قرار دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اشارات کے طور پر کہتا ہے کہ میں ایک مدت تک بندر بھی رہا اور ایک زمانہ تک ہاتھی اور پھر میں ہرن بھی بنا اور کتا بھی اور چار دفعہ میں سانپ بنا۔ اور پھر چڑیا بھی بنا اور مینڈک بھی بنا اور دو دفعہ مچھلی بنا اور دس دفعہ شیر بنا اور چار دفعہ مرغا بنا اور دو دفعہ میں سؤر بنا۔ اور ایک دفعہ خرگوش بنا اور خرگوش بننے کے زمانہ میں بندروں اور گیدڑوں اور پانی کے کتوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اور پھر کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں بھوت بنا اور ایک دفعہ عورت بنا اور ایک دفعہ ناچنے والا شیطان بنا۔ یہ تمام اشارات اس اپنی تمام زندگی کی طرف کرتا ہے جو بزدلی اور زنانہ خصلت اور ناپاکی اور درندگی اور وحشیانہ حالت اور عیاشی اور شکم پرستی اور توہمات سے بھری ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ وہ وید کا پیرو تھا کیونکہ وہ وید کے ترک کرنے کے بعد کبھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتا کہ پھر بھی کوئی حصہ گندی زندگی کا اس کے اندر رہا تھا بلکہ اس کے بعد اس نے بڑے بڑے دعوے کیے اور کہا کہ وہ خدا کا مظہر ہو گیا اور نروان کو پا گیا۔ بُدھ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب انسان دوزخ کے اعمال لے کر دُنیا سے جاتا ہے تو وہ دوزخ میں ڈالا جاتا ہے اور دوزخ کے سپاہی اس کو کھینچ کر دوزخ کے بادشاہ کی طرف لے جاتے ہیں اور اس بادشاہ کا نام یمہ ہے اور پھر اس دوزخی سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تو نے ان پانچ رسولوں کو نہیں دیکھا جو تیرے آگاہ کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے اور وہ یہ ہیں۔ بچپن کا زمانہ۔ بڑھاپے کا زمانہ۔ بیماری۔ مجرم ہو کر دُنیا میں ہی سزا پا لینا۔ جو آخرت کی سزا پر ایک دلیل ہے۔ مُردوں کی لاشیں جو دُنیا کی بے ثباتی ظاہر کرتی ہیں مجرم جواب دیتا ہے کہ جناب میں نے اپنی بیوقوفی کے سبب ان تمام باتوں پر کچھ بھی غور نہ کی۔ تب دوزخ کے مؤکل اس کو کھینچ کر عذاب کے مقام پر لے جائیں گے اور لوہے کے زنجیروں کے ساتھ جو آگ سے اس قدر گرم کیے ہوئے ہونگے کہ آگ کی طرح سُرخ ہوں گے باندھ دیئے جائیں گے اور نیز بدھ کہتا ہے کہ دوزخ میں کئی طبقے ہیں جن میں مختلف قسم کے گنہ گار ڈالے جائیں گے۔ غرض یہ تمام تعلیمیں باواز بلند پکار رہی ہیں کہ بُدھ مذہب نے حضرت مسیح کے فیض صحبت سے کچھ حاصل کیا ہے لیکن ہم اس جگہ اس سے زیادہ طول دینا پسند نہیں کرتے اور اس فصل کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ جبکہ بُدھ مذہب کی کتابوں میں صریح طور پر حضرت مسیح کے اس ملک میں آنے کے لیے پیشگوئی لکھی گئی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ بُدھ مذہب کی ان کتابوں میں جو حضرت مسیح

کے زمانہ میں تالیف ہوئیں۔ انجیل کی اخلاقی تعلیمیں اور مثالیں موجود ہیں تو ان دونوں باتوں کو باہم ملانے سے کچھ شک نہیں رہ سکتا کہ ضرور حضرت مسیح اس ملک میں آئے تھے۔ سو جس شہادت کو ہم بُدھ مذہب کی کتابوں میں سے ڈھونڈنا چاہتے تھے خدا کا شکر ہے کہ وہ شہادت کامل طور پر ہمیں دستیاب ہو گئی ہے۔

# تیسری فصل

## ان تاریخی کتابوں کی شہادت میں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا اس ملک پنجاب اور اس کی مضافات میں آنا ضرور تھا

چونکہ طبعاً یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام واقعہ صلیب سے نجات پا کر کیوں اس ملک میں آئے اور کس ضرورت نے ان کو اس دور دراز سفر کے لئے آمادہ کیا۔ اس لئے اس سوال کا تفصیل سے جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور گو ہم پہلے بھی اس بارے میں کسی قدر لکھ آئے ہیں لیکن ہم مناسب دیکھتے ہیں کہ اس بحث کو مکمل طور پر درج کتاب کیا جاتے۔

سو واضح ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے فرض رسالت کے رُو سے ملک پنجاب اور اس کے نواح کی طرف سفر کرنا نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے دس فرقے جن کا نام انجیل میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں رکھا گیا ہے ان ملکوں میں آ گئے تھے جن کے آنے سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس ملک کی طرف سفر کرتے اور ان گمشدہ بھیڑوں کا پتہ لگا کر خدا تعالےٰ کا پیغام ان کو پہنچاتے اور جب تک وہ ایسا نہ کرتے تب تک ان کی رسالت کی غرض بے نتیجہ اور نامکمل تھی کیونکہ جس حالت میں وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے تھے تو پھر بغیر اس کے کہ وہ اُن بھیڑوں کے پیچھے جاتے اور انکو تلاش کرتے اور ان کو طریق نجات بتلاتے یونہی دنیا سے کوچ کر جانا ایسا تھا کہ جیسا کہ ایک شخص ایک بادشاہ کی طرف سے مامور ہو کہ فلاں بیابانی قوم میں جا کر ایک کنواں کھودے اور اس کنوئے سے ان کو پانی پلاوے لیکن یہ شخص کسی دُوسرے مقام میں تین چار برس رہ کر واپس چلا جائے اور اس قوم کی تلاش میں ایک قدم بھی نہ اٹھائے تو کیا اس نے بادشاہ کے حکم کے موافق تعمیل کی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس نے محض اپنی آرام طلبی کی وجہ سے اس قوم کی کچھ پرواہ نہ کی؟

ہاں اگر یہ سوال ہو کہ کیونکر اور کس دلیل سے معلوم ہوا کہ اسرائیل کی دس قومیں اس ملک میں آ گئی تھیں تو اس کے

جواب میں ایسے بدیہی ثبوت موجود ہیں کہ ان میں ایک معمولی اور موٹی عقل بھی شبہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ نہایت مشہور واقعات ہیں کہ بعض قومیں مثلاً افغان اور کشمیر کے قدیم باشندے دراصل بنی اسرائیل ہیں مثلاً الائی کوہستان جو ضلع ہزارہ سے دو تین دن کے راستہ پر واقع ہے اس کے باشندے قدیم سے اپنے تئیں بنی اسرائیل کہلاتے ہیں ایسا ہی اس ملک میں ایک دوسرا پہاڑ ہے جس کو کالا ڈاکہ کہتے ہیں اس کے باشندے بھی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں اور خاص ضلع ہزارہ میں بھی ایک قوم ہے جو اسرائیلی خاندان سے اپنے تئیں سمجھتے ہیں ایسا ہی چلاس اور کابل کے درمیان جو پہاڑ ہیں جنوب کی طرف شرقاً و غرباً ان کے باشندے بھی اپنے تئیں بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور کشمیر کے باشندوں کی نسبت وہ رائے نہایت صحیح ثابت ہوتی ہے جو ڈاکٹر برنیئر نے اپنی کتاب سیرو سیاحت کشمیر کے دوسرے حصے میں بعض محقق انگریزوں کے حوالہ سے لکھی ہے یعنی یہ کہ بلا شبہ کشمیری لوگ بنی اسرائیل ہیں اور ان کے لباس اور چہرے اور بعض رسوم قطعی طور پر فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی خاندان میں سے ہیں اور فارسٹر[2] نامی ایک انگریز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب میں کشمیر میں تھا تو میں نے خیال کیا کہ میں ایک یہودیوں کی قوم کے درمیان رہتا ہوں۔ اور کتاب دی ریسز آف افغانستان[3] مصنفہ ایچ ڈبلیو بلیو سی ایس آئی مطبوعہ تھاکر سپنک اینڈ کو کلکتہ میں لکھا ہے کہ افغان لوگ ملک سیریا سے آئے ہیں۔ بخت نصر نے انہیں قید کیا اور پرشیا اور میدیا کے علاقوں میں انہیں آباد کیا۔ ان مقامات سے کسی بعد کے زمانہ میں مشرق کی طرف نکل کر غور کے پہاڑی ملک میں جا بسے جہاں بنی اسرائیل کے نام سے مشہور تھے۔ اس کے ثبوت میں ادریس نبی کی پیشگوئی ہے کہ دس قومیں اسرائیل کی جو قید میں ماخوذ ہوئی تھیں۔ قید سے بھاگ کر ارسارۃ میں پناہ گزین ہوئیں اور وہ اسی ملک کا نام معلوم ہوتا ہے جسے آجکل ہزارہ کہتے ہیں اور جو علاقہ غور میں واقع ہے۔ طبقات ناصری جس میں چنگیز خاں کی فتوحات ملک افغانستان کا ذکر ہے اس میں لکھا ہے کہ شنبیسی خاندان کے عہد میں یہاں ایک قوم آباد تھی جس کو بنی اسرائیل کہتے تھے اور بعض ان میں بڑے بڑے تاجر تھے۔ یہ لوگ ۶۲۲ئہ میں جبکہ محمد یعنے اس زمانہ میں جبکہ سیدنا حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا اعلان کیا۔ ہرات کے مشرقی علاقہ میں آباد تھے۔ ایک قریشی سردار خالد ابن ولید نامی ان کے پاس رسالت کی خبر لے کر آیا کہ وہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے کے نیچے آئیں۔ پانچ چھ سردار منتخب ہو کر اس کے ساتھ ہوئے جن میں بڑا قیس تھا جس کا دوسرا نام

---

[1] DR. BERNIER, TRAVELS VOL. II PUBLISHED BY ARCHIBALB CONSTABLE LONDON 1891

[2] George Forster, Letters on a Journey from Bengal to England, Published by R. Faulder London 1808

[3] The Races of Afghanistan by H. W. Bellews CS Thacker Spink & Co. Calcutta 1884.

کرتش ہے۔ یہ لوگ مسلمان ہوکر اسلام کی راہ میں بڑی جان نشانی سے لڑے اور فتوحات حاصل کیں اور ان کی واپسی پر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان کو بہت تحفے دیئے اور ان پر برکت بھیجی اور پیشگوئی کی کہ اس قوم کو عروج حاصل ہوگا اور بطور پیشگوئی فرمایا کہ ہمیشہ ان کے سردار ملک کے لقب سے مشہور ہوا کریں گے اور قیس کا نام عبدالرشید رکھ دیا اور پیطان کے لقب سے سرفراز کیا۔ اور لفظ پیطان کی نسبت افغان مؤلف یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک سُریانی لفظ ہے جس کے معنے جہاز کا سکان ہے اور چونکہ نومسلم قیس اپنی قوم کی رہنمائی کے لیے جہاز کے سُکان کی طرح تھا اسلیے پیطان کا خطاب اس کو ملا۔

اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کس زمانہ میں غور کے افغان آگے بڑھے اور علاقہ قندھار میں جو آجکل ان کا وطن ہے آباد ہوئے۔ غالباً اسلام کی پہلی صدی میں ایسا ظہور میں آیا۔

افغانوں کا قول ہے کہ قیس نے خالد ابن ولید کی لڑکی سے نکاح کیا۔ اور اس سے اس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام سرآبان۔ پطان اور گرگشت ہیں۔ سرآبان کے دو لڑکے تھے جن کے نام سحرج بُن اور کرشن بُن ہیں اور ان ہی کی اولاد افغان یعنے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں ایشیا کوچک کے لوگ اور مغربی اسلامی مؤرخ افغانوں کو سلیمانی کہتے ہیں اور کتاب سائیکلوپیڈیا[1] آف انڈیا ایسٹرن اینڈ سدرن ایشیا مصنفہ ای بیلفور جلد سوم میں لکھا ہے کہ قوم یہود ایشیا کے وسط جنوب اور مشرق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں یہ لوگ ملک چین میں بکثرت آباد تھے۔ اور مقام یہ چوپر (صدر مقام ضلع شو) ان کا معبد تھا۔ ڈاکٹر وولف[2] جو بنی اسرائیل کے دس غائب شدہ فرقوں کی تلاش میں بہت مدت پھرتا رہا۔ اس کی یہ رائے ہے کہ اگر افغان اولاد یعقوب میں سے ہیں تو وہ یہودا اور بنیمین قبیلوں میں سے ہیں۔ ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی لوگ تاتار میں جلا وطن کرکے بھیجے گئے تھے اور بخارا۔ مرو اور خیوا کے متعلقہ علاقوں میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔ پرسٹر جان[3] شہنشاہ تاتار نے ایک خط میں جو بنام الکیسس[4] کام نی نس شہنشاہ قسطنطنیہ ارسال کیا تھا اپنے ملک تاتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دریا (آموں) کے پار بنی اسرائیل کے دس قبیلے ہیں جو اگرچہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ہماری رعیت اور غلام ہیں۔ ڈاکٹر مور[5] کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تاتاری قوم چوزان یہودی الاصل ہیں۔ اور ان میں اب تک یہودی مذہب کے قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ختنہ کی رسم ادا

---

لے The Cyclopaedia of India, and Eastern and Southern Asia by S. G. Edward Balfour Published by Bernard Quaritch London 1885.

لے DR . J. WOLFF   سے PRESTER JOHN

ے ALEXIS COMMINUS

ے THE LOST TRIBES BY GEORGE MOORE

کرتے ہیں۔ افغانوں میں یہ روایت ہے کہ وہ دس گمشدہ بنی اسرائیلی قبائل ہیں۔ بادشاہ بخت نصر نے یروشلم کی تباہی کے بعد گرفتار کر کے غور کے ملک میں بسایا جو بامیان[۲] کے نزدیک ہے اور وہ خالد بن ولید کے آنے سے پہلے برابر یہودی مذہب کے پابند رہے۔

افغان شکل وشباہت میں ہر طرح سے یہودی نظر آتے ہیں اور ان ہی کی طرح چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کرتا ہے۔ ایک فرانسیسی سیاح فرائر[۱] نامی جب ہرات کے علاقہ میں سے گزر رہا تھا تو اس نے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں بنی اسرائیل بکثرت ہیں اور اپنے یہودی مذہب کے ارکان کے ادا کرنے کی پوری آزادی انہیں حاصل ہے۔ ربی بن یمین[۳] ساکن شہر ٹولیڈو (سپین) بارھویں صدی عیسوی میں گمشدہ قبیلوں کی تلاش میں گھر سے نکلا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ یہودی لوگ چین ایران اور تبت میں آباد ہیں۔ جوزی فس[۴] جنہنے ۹۳ء میں یہودیوں کی قدیم تاریخ لکھی ہے۔ اپنی گیارھویں کتاب میں عزرا نبی کے ساتھ قید سے واپس جانیوالے یہودیوں کے بیان کے ضمن میں بیان کرتا ہے کہ دس قبیلے دریائے فرات کے اس پار اب تک آباد ہیں اور ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ (دریائے فرات کے اس پار سے مراد فارس اور مشرقی علاقے ہیں) اور سینٹ جیروم[۵] جو پانچویں صدی عیسوی میں گذرا ہے مسیح نبی کا ذکر کرتے ہوئے اس معاملہ کے ثبوت میں حاشیہ پر لکھتا ہے کہ اس دن سے (بنی اسرائیل کے) دس فرقے شاہ پارتھیا یعنی پارس کے ماتحت ہیں اور اب تک قید سے رہا نہیں کیے گئے۔ اور اسی کتاب کی جلد اول میں لکھا ہے کہ کونٹ جوردن سٹرنا[۶] اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۳۔ ۲۲۴ میں تحریر کرتا ہے کہ افغان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بخت نصر نے ہیکل یروشلم کی تباہی کے بعد بامیان کے علاقہ میں انہیں جلاوطن کر کے بھیجدیا (بامیان کا علاقہ غور کے متصل اور افغانستان میں واقع ہے) اور کتاب نیریٹو[۷] آف اے وزٹ ٹو غزنی کابل افغانستان مصنفہ جی ٹی ویگن ایف جی ایس مطبوعہ ۱۸۴۰ء کے صفحہ ۱۶۶ میں لکھا ہے کہ کتاب مجمع الانساب سے ملا خداداد نے پڑھ کر سنایا کہ یعقوب کا بڑا بیٹا یہودا تھا اس کا بیٹا اسرک تھا۔ اسرک کا بیٹا اکنور۔ اکنور کا بیٹا معالب۔ معالب کا فرلائی۔ فرلائی کا بیٹا قیس تھا قیس کا بیٹا طالوت۔ طالوت کا ارمیاہ۔ اور ارمیاہ کا بیٹا افغان تھا اس کی اولاد

---

۱؎ L.P FERRIER ۲؎ BAMYAN

۳؎ Rabbi Bin Yamin of Toledo

۴؎ Josephns

۵؎ St.jerom.

۶؎ Alexis Comminus.

۷؎ A Personal Narrative of a visit to Ghazni Kabul in Afghanistain by G.T.Vigve Published by Whittaker&Co.London 1 8 4 0.

قوم افغان ہے۔ اور اسی کے نام پر افغان کا نام مشہور ہوا۔ افغان بخت نصر کا ہم عصر تھا اور بنی اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کے چالیس بیٹے تھے اس کی چونتیسویں پشت میں دو ہزار برس بعد وہ قیس ہوا جو محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں تھا اس سے چونسٹھ نسلیں ہوئیں سلم نامی افغان کا سب سے بڑا بیٹا اپنے وطن شام سے ہجرت کر کے غور مشکوہ کے علاقہ میں جو ہرات کے قریب ہے آباد ہوا۔ اس کی اولاد افغانستان میں پھیل گئی۔

اور کتاب لے سائیکلو پیڈیا آف جیوگرافی مرتبہ جیمز برائیس ایف جی ایس مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۱ میں لکھا ہے کہ افغان لوگ اپنا سلسلہ نسب سال بادشاہ اسرائیل سے ملاتے ہیں اور اپنا نام بنی اسرائیل رکھتے ہیں۔ ایلگزنڈر برنس کا قول ہے کہ افغان یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ یہودی الاصل ہیں۔ شاہ بابل نے انہیں قید کر کے غور کے علاقہ میں لا بسایا جو کابل سے شمال مغرب میں واقع ہے یہ لوگ سنہ ۶۲۲ء تک اپنے یہودی مذہب پر رہے لیکن خالد بن عبد اللہ (غلطی سے ولید کی جگہ عبد اللہ لکھا ہوا ہے) نے اس قوم کے ایک سردار کی لڑکی سے بیاہ کر لیا اور انکو اس سال میں دین اسلام قبول کرایا اور کتاب ہسٹری آف افغانستان مصنفہ کرنیل جی بی میلسن مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ خاں ہراتی اور فرانسیسی سیاح فرائر یا نی سر ولیم جونز (جو ایک بڑا متبحر عالم علوم شرقیہ گذرا ہے) اس بات پر متفق ہیں کہ افغان قوم بنی اسرائیل الاصل ہیں اور دس گمشدہ فرقوں کی اولاد ہیں اور کتاب ہسٹری آف دی افغانس مصنفہ ایل پی فرائر (فرانسیسی) مترجمہ کپتان ولیم جے سی مطبوعہ لندن ۱۸۵۸ء صفحہ ۱ میں لکھا ہے کہ شرقی مورخوں کی کثرت رائے یہی ہے کہ افغان قوم بنی اسرائیل کے دس فرقوں کی اولاد سے ہیں اور یہی رائے افغانوں کی اپنی ہے اور یہی مورخ اس کتاب کے صفحہ ۴ میں لکھتا ہے کہ افغانوں کے پاس اس بات کے ثبوت کے لیے ایک دلیل ہے جس کو وہ یوں پیش کرتے ہیں کہ جب نادر شاہ ہند کی فتح کے ارادہ سے پشاور پہنچا تو یوسف زئی قوم کے سرداروں نے اس کی خدمت میں ایک بائبل عبرانی زبان میں لکھی ہوئی پیش کی اور ایسا ہی کئی دوسری چیزیں پیش کیں جو اُن کے خاندانوں میں اپنے قدیم مذہب کے رسوم ادا کرنے کے لیے محفوظ چلی آتی تھیں۔ اس

---

لہ Cyclopeadia of Geography by James Bryce published by William Collins London 1880.

٢ہ Alexander Burns

٣ہ History of Afghanistan by Colonel G. Halleson Published by India Office, London 1878.

٤ہ Ferrier John

Sir William Jones

History of the Afghans, by L. P. Ferrier Translated by Capten O.W.M. Jesse John Hurray London 1858.

کیمپ کے ساتھ یہودی بھی موجود تھے جب ان کو یہ چیزیں دکھلائی گئیں تو فوراً انہوں نے ان کو پہچان لیا اور پھر یہی مورخ اپنی کتاب کے صفحہ چہارم کے بعد لکھتا ہے کہ عبداللہ خاں ہراتی کی رائے میرے نزدیک بہت قابل اعتبار ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ ملک طالوت (ساؤل) کے دو بیٹے تھے ایک کا نام افغان دوسرے کا نام جالوت۔ افغان اس قوم کا مورث اعلیٰ تھا۔ داؤد اور سلیمان کی حکومت کے بعد بنی اسرائیل میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور فرقے فرقے الگ الگ بن گئے۔ بخت نصر کے زمانہ تک یہی حالت رہی۔ بخت نصر نے چڑھائی کر کے ستر ہزار یہودی قتل کیے اور شہر تباہ کیا اور باقی یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔ اس مصیبت کے بعد افغان کی اولاد خوف کے مارے یہودیا سے ملک عرب میں بھاگ کر جا بسے اور بہت عرصہ تک یہاں آباد رہے لیکن چونکہ پانی اور زمین کی قلت تھی اور انسان اور حیوان کو تکلیف تھی اس لیے انہوں نے ہندوستان کی طرف چلے آنے کا ارادہ کیا۔ ابدالیوں کا ایک گروہ عرب میں پڑا رہا اور (حضرت) ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ایک سردار نے ان کا رشتہ خالد بن ولید سے قائم کیا...... جب ایران اہل عرب کے قبضہ میں آیا تو یہ قوم عرب سے نکل کر ایران کے علاقوں فارس اور کرمان میں جا بسے اور حملہ چنگیز خان تک یہیں بستے رہے۔ اس کے مظالم کی تاب نہ لا کر ابدالی فرقہ مکران سندھ اور ملتان کے راستے ہندوستان پہنچا لیکن یہاں انہیں چین نصیب نہ ہوا (آخر کار) وہ کوہ سلیمان پر جا ٹھہرے۔ باقی ماندہ ابدالی فرقے کے لوگ بھی یہاں جمع ہو گئے ان کے چوبیس فرقے تھے جو افغان کی اولاد میں سے تھے۔ جس کے تین بیٹے تھے جن کے نام سرابند (سرابان) ارکش (گرگشت) کرلن (بطان) ان میں ہر ایک کے آٹھ فرزند ہوئے جن کے نام پر چوبیس ۲۴ قبیلے ہوئے۔ ان کے نام مع قبائل یہ ہیں:

| سرابند کے بیٹے | قبائل کے نام | گرگشت (ارکش) کے بیٹے | قبائل کے نام |
|---|---|---|---|
| ابدال | ابدالی | خلج | خلجی غلزئی |
| یوسف | یوسف زئی | کاکر | کاکری |
| بابور | بابوری | جموریں | جموریں |
| وزیر | وزیری | ستوریان | ستوریانی |
| لوہان | لوہانی | بین | بینی |
| بریچ | بریچی | کس | کسی |
| خوگیان | خوگیانی | تیکان | تیکانی |
| شران | شرانی | نصر | نصری |

| کرلن کے بیٹے | قبائل | کرلن کے بیٹے | قبائل |
|---|---|---|---|
| خٹک | خٹکی | زاز | زازی |
| سور | سوری | باب | بابی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| آفریدیہ | آفریدی | بنگنیش | بنگنیشی |
| طور | طوری | لنڈپور | لنڈپوری |

تم کلامہٗ

اور کتاب مخزن[1] افغانی تالیف خواجہ نعمت اللہ ہراتی بعہد جہانگیر شاہ تالیف شدہ ۱۰۱۸ھ ہجری جس کو پروفیسر برنہارڈ[2] ڈورن ( خارکو یونیورسٹی ) نے بمقام لندن ترجمہ کر کے ۱۸۳۶ء میں شائع کیا ہے اس کے مفصلہ ذیل ابواب میں یہ بیان ہے۔

باب اوّل میں بیان تاریخ یعقوب اسرائیل ہے جس سے اس (افغان) قوم کا شجرہ نسب شروع ہوتا ہے۔

باب دوم میں مضمون تاریخ شاہ طالوت ہے۔ یعنی افغانوں کا شجرہ نسب طالوت سے ملایا گیا ہے۔

صفحہ ۲۲ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ طالوت کے دو بیٹے تھے۔ برخیا اور ارمیاہ۔ برخیاہ کا بیٹا آصف تھا اور ارمیاہ کا افغان۔ اور صفحہ ۶۴ میں لکھا ہے کہ افغان کے ۴۰ بیٹے تھے اور افغان کی اولاد کے برابر کوئی اور اسرائیلی قبیلہ میں نہ تھا۔ اور صفحہ ۶۵ میں لکھا ہے کہ بخت نصر نے تمام شام پر قبضہ کر لیا اور اقوام بنی اسرائیل کو جلاوطن کر کے غور۔ غزنی۔ کابل۔ قندھار اور کوہ فیروزہ کے کوہستانی علاقوں میں لا بسایا۔ جہاں خاصکر آصف اور افغان کی اولاد رہ پڑی۔

باب سوم میں یہ بیان ہے کہ بخت نصر نے جب بنی اسرائیل کو شام سے نکالدیا تو آصف اور افغان کی نسل کے چند قبائل عرب میں جا گزین ہوئے۔ اور عرب انکو بنی اسرائیل اور افغان کے ناموں سے نامزد کرتے تھے۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۳۷ و ۳۸ مصنف مجمع الانساب اور مستوفی مصنف تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات میں خالد بن ولید نے ان افغانوں کی طرف دعوت اسلام کا پیغام بھیجا۔ جو بخت نصر کے واقعہ کے بعد غور کے علاقہ ہی میں رہ پڑے تھے۔ افغان سردار بسر براہی قیس جو ۳۷ پشتوں کے بعد طالوت کی اولاد تھا حاضر خدمت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ قیس کا نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرشید رکھا۔ (اس جگہ عبد الرشید قیس کا شجرہ نسب طالوت (ساؤل) تک دیا ہے) نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداروں کا نام پٹھان رکھا جس کے معنے سکان جہاز کے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد سردار واپس اپنے ملک میں آئے اور اسلام کی تبلیغ کی۔

اور اسی کتاب مخزن افغانی کے صفحہ ۶۳ میں لکھا ہے کہ بنی افغنہ یا بنی افغان ناموں کی نسبت فرید الدین احمد اپنی کتاب رسالہ انساب افغانیہ میں مفصلہ ذیل عبارت لکھتا ہے "بخت نصر مجوسی جب بنی اسرائیل اور شام کے علاقوں پر مستولی ہوا اور یروشلم کو تباہ کیا۔ تو بنی اسرائیل کو قیدی اور غلام بنا کر جلاوطن کر دیا اور اس قوم کے کئی قبیلے جو موسوی شریعت کے

---

[1] معتبر تواریخ مثلاً تاریخ طبری۔ مجمع الانساب۔ گزیدہ جہانکشائی۔ مطلع الانوار۔ معدن اکبر سے خلاصہ کر کے یہ کتاب بنائی گئی ہے۔

[2] PROFESSOR BERNHARD DORAN (دیکھو صفحہ ۳ دیباچہ از مصنف)

پابند تھے اپنے ساتھ لے گیا اور حکم دیا کہ وہ آبائی مذہب چھوڑ کر خدا کی بجائے اس کی پرستش کریں لیکن انہوں نے انکار کیا بنابریں بخت نصر نے نہایت عاقل اور فہیم لوگوں میں سے دو ہزار کو مار ڈالا اور باقیوں کے لیے حکم دیا کہ اس کے مقبوضات اور شام سے کہیں باہر چلے جائیں ان کا ایک حصہ ایک سردار کے ماتحت بخت نصر کے مقبوضات سے نکل کر کوہستان غور میں چلا گیا اور یہاں ان کی اولاد رہ پڑی۔ دن بدن ان کی تعداد بڑھتی گئی اور لوگوں نے ان کو بنی اسرائیل۔ بنی آصف اور بنی افغان ناموں سے موسوم کیا۔

صفحہ ۴۴ میں مصنف مذکور کا قول ہے کہ معتبر کتب مثلاً تاریخ افغانی۔ تاریخ غوری وغیرہ میں یہ دعویٰ درج ہے افغان بہت زیادہ حصہ تو بنی اسرائیل ہیں اور کچھ حصہ قبطی۔" نیز ابو الفضل کا بیان ہے کہ بعض افغان اپنے آپ کو مصری الاصل سمجھتے ہیں اور یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل یروشلم سے مصر واپس گئے اس فرقہ (یعنے افغان) نے ہندوستان کو نقل مقام کیا۔ اور صفحہ ۴۴ میں فرید الدین احمد افغان کے نام کی بابت یہ لکھتا ہے:۔ افغان نام کی نسبت بعض نے یہ لکھا ہے کہ (شام سے) جلاوطنی کے بعد جب وہ ہر وقت اپنے وطن مالوف کا دل میں خیال لاتے تھے تو آہ و فغاں کرتے تھے لہٰذا ان کا نام افغان ہوا اور یہی رائے سرجان ملکمؔ کی ہے۔ دیکھو ہسٹری آف پرشیا جلد ا صفحہ ۱۰۱۔

اور صفحہ ۶۳ میں مہابت خان کا بیان ہے کہ " چوں ایشاں از توابع و لواحق سلیمان علیہ السلام اند بنابراں ایشاں را مردم عرب سلیمانی گویند۔

اور صفحہ ۶۵ میں لکھا ہے تقریباً تمام مشرقی مؤرخوں کی یہی تحقیقات ہے کہ افغان قوم کا اپنا یہی اعتقاد ہے کہ وہ یہودی الاصل ہیں اور اس رائے کو زمانہ حال کے بعض مؤرخوں نے بھی اختیار کیا ہے یا غالباً صحیح سمجھا ہے ...... اور یہ رواج کہ افغان یہودیوں کے نام اپنے نام رکھتے ہیں بیشک افغانوں کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ہے (لیکن مترجم برنہارڈ ڈورن کا یہ خیال کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ پنجاب کے شمال و مغربی حصہ میں اکثر ایسی قومیں ہندی الاصل آباد ہیں جو آباد ہو گئی ہیں لیکن ان کے نام یہودی ناموں کی طرز پر ہرگز نہیں۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہو جانے سے ایک قوم میں یہودی نام داخل نہیں ہو جاتے)" افغان کے خط و خال یہودیوں سے حیرت انگیز طور پر مشابہت رکھتے ہیں اور اس بات کو ان محققوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے جو افغانوں کے دعوے یہودی الاصل ہونے پر کچھ التفات نہیں کرتے۔ اور یہی ایک ثبوت ہے جو ان کے یہودی الاصل ہونے کے بارے میں مل سکتا ہے۔ سرجان ملکم کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں:۔ اگرچہ افغانوں کا (یہودیوں کی) معزز نسل سے ہونے کا دعویٰ بہت مشتبہ ہے۔ لیکن ان کی شکل و ظاہری خط و خال اور ان کے اکثر رسوم سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ وہ (افغان) فارسیوں۔ تاتاریوں اور ہندیوں سے ایک جدا قوم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی بات اس بیان کو معتبر ٹھہراتی ہے جس کی مخالفت بہت سے قوی واقعات کرتے ہیں اور جس کا کوئی صاف ثبوت نہیں ملتا۔

---

ؔ SIR JOHN MALLCOLM

اگر ایک قوم کی دوسری قوم کے ساتھ شکل و وضع میں مشابہت رکھنے سے کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے تو کشمیری اپنے یہودیوں والے خط و خال کی وجہ سے یقیناً یقیناً یہودی الاصل ثابت ہوں گے اور اس بات کا صرف برنیر نے ہی نہیں۔ بلکہ فارسٹر اور شاید دیگر محققوں نے ذکر کیا ہے ..... اگرچہ فارسٹر برنیر کی رائے کو تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم وہ اقرار کرتا ہے کہ جب وہ کشمیریوں میں تھا تو اس نے خیال کیا کہ وہ ایک یہودیوں کی قوم کے درمیان رہتا ہے۔

اور کتاب ڈکشنری آف جیوگرافی مرتبہ اے۔ کے جانسٹن کے صفحہ ۲۵۰ میں کشمیر کے لفظ کے بیان میں یہ عبارت ہے؛[له] یہاں کے باشندے دراز قد۔ قوی ہیکل۔ مردانہ شباہت والے۔ عورتیں مکمل اندام والیں۔ خوبصورت۔ بلند خمدار بینی والے شکل و وضع میں بالکل یہودیوں کے مشابہ ہیں۔

اور سول اینڈ ملٹری گزٹ (مطبوعہ ۲۳۔ نومبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۴) میں بعنوان مضمون سواتی اور آفریدی (اقوام) لکھا ہے کہ ہمیں ایک اعلیٰ درجہ کا قیمتی اور دلچسپ مضمون ملا ہے۔ جو برٹش ایسوسی ایشن کے ایک حال کے جلسہ میں ایسوسی ایشن مذکورہ کی شاخ متعلقہ تاریخ طبعیٔ نوع انسان میں پیش کیا گیا ہے۔ اور جو کمیٹی تحقیقات تاریخ طبعی انسان کے موسم سرما کے جلسہ میں ابھی سُنایا جانا ہے۔ ہم وہ مکمل مضمون ذیل میں درج کرتے ہیں ...... ہندوستان کی مغربی سرحد کے پٹھان یا پکتان باشندوں کا حال قدیمی تاریخوں میں موجود ہے اور بہت سے فرقوں کا ذکر ہیروڈوٹس نے اور سکندر اعظم کے تاریخ نویسوں نے کیا ہے۔ وسطی زمانہ میں اس پہاڑ کا غیر آباد اور ویرانہ کا نام روہ تھا اور اس علاقہ کے باشندوں کا نام رہیلہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہ رہیلے یا پٹھان قوم افغاناں کے نام ونشان سے پہلے ان علاقوں میں آباد تھے۔ اب سارے افغان پٹھانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ پٹھانی زبان یعنی پشتو بولتے ہیں لیکن وہ ان سے کسی رشتہ کا اقرار نہیں کرتے۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ ہم بنی اسرائیل ہیں۔ یعنے ان فرقوں کی اولاد ہیں جن کو بخت نصر قید کر کے بابل لے گیا تھا۔ مگر سب نے پشتو زبان کو اختیار کر لیا ہے۔ اور سب اسی مجموعہ قوانین ملکی کو مانتے ہیں جس کا نام پکتان والی ہے اور جس کے بہت سے قواعد پرانی موسوی شریعت سے عجیب طور پر مشابہت رکھتے ہیں اور بعض اقوام راجپوت کے پُرانے رسم و رواج سے بھی ملتے ہیں۔

...... اگر ہم اسرائیلی آثار کو زیر نظر رکھ کر دیکھیں تو ظاہر ہوگا کہ پٹھانوں کی قومیں دو بڑے حصوں میں منقسم ہو سکتی ہیں یعنی اوّل وہ فرقے ہندی الاصل ہیں جیسے ایری۔ آفریدی۔ اورک زئی وغیرہ۔ دُوسرے افغان جو سامی (Semitic) ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور سرحد پر زیادہ آبادی انہی کی ہے۔ اور کم سے کم یہ ممکن ہے کہ پکتان والی جو ایک غیر مکتوب ضابطہ قواعد ملکی ہے سب کا ملکر تیار ہوا ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ موسوی احکام راجپوتی رسوم سے ملے ہوتے ہیں۔ جن کی ترمیم اسلامی رسوم نے کی ہے۔ وہ افغان جو اپنے تیئں دُرّانی کہلاتے ہیں اور جیسے کہ دُرّانی سلطنت کی بنیاد پڑی ہے یعنی ۱۵۰ سال سے اپنے تیئں دُرّانی ہی نامزد کرتے آئے ہیں کہتے ہیں کہ وہ اصلاً اسرائیلی فرقوں کی اولاد سے ہیں اور ان کی نسل کش

---

[له] A. K. Johnston's Dictionary of Geography

(قیس) سے جاری ہوتی ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے پٹھان کے نام سے موسوم کیا جس کے معنے سُریانی زبان میں سکان کے ہیں کیونکہ اُس نے لوگوں کو اسلام کی لہروں میں (کشتی کی طرح) چلانا تھا ...... اگر ہم قوم افغان کا قوم اسرائیل سے کوئی قدیمی رشتہ نہ مانیں تو ان اسرائیلی ناموں کی کوئی وجہ بیان کرنا ہمارے لیے مشکل ہو جاتا ہے جو عام طور پر رائج ہیں اور بعض رسوم مثلاً عید فصح کے تہوار کے رائج ہونے کی وجہ بیان کرنا اور بھی ہمارے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور قوم افغان کی یوسف زئی شاخ اگر عید فصح کی حقیقت کو سمجھ کر نہیں مناتے تو کم سے کم ان کا تہوار عید فصح کی نہایت عجیب اور عمدہ نقل ہے۔ ایسا ہی اسرائیلی رشتہ نہ ماننے کی حالت میں ہم اُس اصرار کی بھی کوئی وجہ نہیں بتلا سکتے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ افغانوں کو اس روایت کے بیان کرنے اور اس پر قائم رہنے میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس روایت کی صداقت کی کوئی اصلی بنیاد ضرور ہوگی۔ بلیو (BELLOWS) کی رائے ہے کہ اسرائیلی رشتہ کا درحقیقت سچا ہونا ممکن ہے مگر وہ بیان کرتا ہے کہ افغانوں کی تین بڑی شاخوں میں سے جو اپنے تئیں قیس کی اولاد بیان کرتے ہیں کم سے کم ایک شاخ سارآبور کے نام سے موسوم ہے اور یہ لفظ پشتو زبان میں اُن نام کا ترجمہ ہے۔ جو پرانے زمانے میں سورج بنسی راجپوتوں کا نام تھا جس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ ان کی بستیاں مہابھارت کی لڑائی میں چندر بنسی خاندان سے شکست کھا کر افغانستان میں آ بسی تھیں۔ اس طرح معلوم ہوا کہ ممکن ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہوں۔ جو قدیمی راجپوتوں میں مل گئے ہوں۔ اور ہمیشہ سے میری نظر میں افغانوں کے اصل و نسل کے مسئلہ کا صحیح حل نہایت ہی اغلب طور پر یہی معلوم ہوتا رہا ہے بہ شرط آجکل کے افغان روایت و تمائل کی بنا پر اپنے تئیں برگزیدہ قوم یعنی ابراہیم کی اولاد میں سے شمار کرتے ہیں۔

ان تمام تحریرات کو جو نامی مؤلفوں کی کتابوں میں سے ہم نے لکھی ہیں یکجائی طور پر تصور میں لانے سے ایک صادق کو یقین کامل ہو سکتا ہے۔ کہ یہ قومیں جو افغان اور کشمیری اس ملک ہندوستان اور اس کے حدود اور نواح میں پائی جاتی ہیں دراصل بنی اسرائیل ہیں۔ اور ہم اس کتاب کے دوسرے حصہ میں انشاء اللہ زیادہ تر تفصیل سے اس بات کو ثابت کریں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس سفر دُور دراز یعنی ہندوستان کے سفر کی علّت غائی یہی تھی کہ تا وہ اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں جو تمام اسرائیلی قوموں کو تبلیغ کا فرض اُن کے ذمہ تھا۔ جیسا کہ وہ انجیل میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ پس اس حالت میں یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ ہندوستان اور کشمیر میں آئے ہوں۔ بلکہ تعجب اس بات میں ہے کہ بغیر ادا کرنے اپنے فرض منصبی کے وہ آسمان پر جا بیٹھے ہوں۔ اب ہم اس حصہ کو ختم کرتے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

المؤلف

خاکسار

**میرزا غلام احمد مسیح موعود**

از قادیان ضلع گورداسپور